یادوں کی دنیا

(میری آپ بیتی)

عبدالعزیز آسکانی

رژن لبزانکی چاگرد کراچی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

کتاب کا نام: یادوں کی دنیا

مُصنّف: عبدالعزیز آسکانی

کمپوزر: اصغر لعل 03223951442

ٹائیٹل ڈیزائن: ھانی گرافکس

اشاعت: نومبر 2021

قیمت: 300 روپے

ناشر: رُژن لبزانکی چاگرد کراچی

انتساب

میرے والدین شوکت علی آسکانی و بی بی مریم آسکانی ،شریک حیات حفیظہ، بیٹی مریم آسکانی، بیٹے عبدالحسیب اور جواں مرگ پیارے بیٹے عبدالحفیظ کے نام۔

والدین نے بالترتیب میری تعلیم وتربیت پر توجہ دی،شریک حیات نے زندگی کو آسودہ اور منظم بنایا اور غمناک صورتحال میں بھی مجھے زندگی گزارنے کا سلیقہ سکھایا۔

فہرست

❁ پیش لفظ	رمضان بلوچ	08
❁ یادوں کی دنیا	شبیر حسین بلوچ	10
❁ میری ایک عرض	عبدالعزیز آسکانی	12
❁ عملی زندگی میں پہلا قدم		14
❁ شاہی محل میں پڑؤ		17
❁ بینک میسنجر		20
❁ نائٹ واچ مین		23
❁ زندگی کی سب سے بڑی خوشی		26
❁ ابوظبی واپسی		28
❁ ایک نیا آغاز		30
❁ اپنا مسکن		34
❁ ایک ناراض دوست		36
❁ زندگی کے دھوپ چھاؤں		39
❁ فیملی ویزہ		42
		44

۞ ایک اچھا دوست 48

۞ ایک دھچکا 50

۞ نئے کلائنٹس نئی مہم 54

۞ بچپن کی ایک کہانی 57

۞ خدمت کا جذبہ 59

۞ فیملی کے ساتھ عید کی خوشیاں 62

۞ ترقی یافتہ روشن خیال ملک 64

۞ عمرہ کی سعادت 68

۞ اسلامی بینکاری 72

۞ ایک ساتھ دو خوشی 74

۞ ڈرائیونگ لائسنس 78

۞ شیخ زید بن سلطان النہان 81

۞ اپنی ذمہ داریوں کا احساس 84

۞ ایک بار پھر عمرہ کی سعادت 88

۞ بیٹی کی ولادت 92

۞ جیل والی سیاست 93

۞ نظریہ کیا ہے؟ 95

۞ ایرانی بلوچستان کی یاترا 98

۞ عبدالحفیظ اچانک مرض میں مبتلا 102

۞ میرا ایک سپنا 105

۞ خاندان میں خوشیاں 107

۞ گنٹوت شہر کی تعمیر 110

۞ زندگی حسین ہے 114

۞ بھائی نور 116

۞ نانی اماں 118

۞ زندگی میں اعتماد کی اہمیت 124

۞ زندگی رواں دواں 129

۞ ایک منظم معاشرہ 131

۞ زندگی کے ۲۰ سال 135

۞ بینکنگ میں نئی ٹیکنولوجی 138

۞ فلسفہ حیات 140

۞ زندگی کا کھٹن فیصلہ 146

۞ ابوظبی کی یادیں 148

۞ ایک نئی زندگی کا آغاز 153

۞ ایک بار پھر ایرانی بلوچستان کا رُخ 164

۞ زندگی کا مقصد کیا ہے 166

❁ کاروبار کی جانب پہلا قدم 169

❁ تاریک دور 170

❁ زندگی کا بہت بڑا دھچکا 176

❁ سکون کی تلاش 179

❁ امید کی کرن 184

❁ میں ساٹھ سال کا ہوا 188

❁ ایک بار پھر سفر بلوچستان 200

❁ کراچی کی خوبصورتی پر ناز 209

❁ اپنی بیٹی پر فخر 212

❁ سوشل لائف کا آغاز 215

❁ روزا ایجوکیشنل سوسائٹی 220

❁ زندگی ایک سفر ہے منزل نہیں

پیش لفظ

میں سمجھتا ہوں اپنی آپ بیتی کو تحریر میں لانا مشکل ترین عمل ہے خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جن کی زندگی مشکلات اور کانٹوں میں گزری ہو اور جن کے ایام زیست میں شاذ و نادر ہی خوشی کے شادیانے کبھی بجے ہوں۔ عبدالعزیز آسکانی صاحب قابل داد ہیں کہ انہوں نے بڑے سلیقے اور روانی کے ساتھ اپنی زندگی کے باب اپنی کتاب" یادوں کی دنیا" میں بڑی آسانی سے وا کئے۔

ہمیں ان کی تحریر میں کہیں بھی لڑکھڑاہٹ نظر آئی اور نہ کہیں یہ لگا کہ اپنی آپ بیتی قارئین کو بتا کر وہ اپنے سر کا بوجھ ہلکا کرنا چاہ رہے ہیں۔ بڑی بیبا کی اور صاف و شفاف اور سیدھے سادے الفاظ میں وہ ہمیں ایک ایسی کہانی سنا رہے ہیں جس میں جستجو ہے۔ آگے بڑھنے کا عزم ہے۔ خوشیوں کے ہلکے سے اشارے ہیں۔ درد ہے۔ تڑپ ہے۔ حساسیت ہے۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ کہیں بھی یاسیت اور ناامیدی کے اندھیرے سائے منڈلاتے نظر نہیں آتے۔ بظاہر اس کی وجہ ان کا ناقابل شکست عقیدہ۔ روحانی طاقتوں پر یقین کی پختگی اور مسلسل انسانی جدوجہد پر کامل بھروسہ ہی نظر آتا ہے جن کی جھلکیاں" یادوں کی دنیا" کے ہر صفحہ پر واضع طور پر عیاں ہیں۔

ہم اتنے اچھے (اور گہرے) ''پڑھاکو'' ہیں اور نہ کسی بات یا تحریر کی گہرائی میں ''ڈوبنے'' کی صلاحیت رکھتے ہیں اسی خاطر ایک بات جو ہمیں کسی قدر کھٹکی وہ یہ کہ مصنف پر گزرے کچھ (تلخ) واقعات اور کہیں کہیں سفر اور موسم کی لطف اندوزی کے لمحات غالباً ان کے ذہن میں کچھ ایسے نقش پذیر ہو چکے ہیں کہ تکرار کی سی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ بات یہ ہے یادوں کی دنیا میں کچھ تلخ اور خوشگوار یادیں ایسی بھی ہیں جنہیں آپ بھولنا چاہیں بھی تو بھول نہیں پاتے اور یہی آسکانی صاحب کے ساتھ پیش آیا ہوگا۔

میری نظر میں عبدالعزیز آسکانی صاحب کی کتاب ''یادوں کی دنیا'' صرف آپ بیتی تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ پاکستان۔ ایران اور عرب امارات المتحدہ (UAE) کا مشترکہ سفرنامہ بھی ہے جس میں اچھی خاصی معلومات کے علاوہ تینوں ملکوں کی تجارتی صورتحال۔ طرز زندگی اور ثقافتی رنگوں کی جھلکیاں بڑے دلچسپ انداز کی تحریر میں نظر آتی ہیں۔

علاوہ ازیں یہ صرف آسکانی صاحب کی زندگی میں گزرے تجربات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ نوجوانوں کے لیے مصنف کے اپنے نقطہ نظر اور نظریات کے مطابق ایک ''نصیحت نامہ'' بھی ہے جس میں نیک عمل کی تلقین۔ زندگی کا فلسفہ اور عقیدہ و ایمان سے لگاؤ کی باتیں بلکہ بہت ساری باتوں کا تکرار ہے۔ ہماری خواہش ہے نوجوان ان کی پند و نصائح کی گہرائی میں جائیں۔ جو وہ کہنا چاہ رہے ہیں وہ سمجھنے اور ان کے تجربات سے کچھ سیکھنے کی کوشش کریں۔ جستجوِ مستقل کے فلسفہ کو جانیں اور سب سے بڑھ کر ایک اچھا انسان بننے اور اچھے اقدار اپنانے کو اپنا مطمعہ نظر بنا کر روشن مستقبل کی جانب قدم بڑھائیں۔

میں عبدالعزیز آسکانی صاحب کو ان کی کتاب ''یادوں کی دنیا'' کی اشاعت پر انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ لیاری میں اب بھی ایسی اعلیٰ شخصیات موجود ہیں جن کی زندگی مسلسل جدوجہد میں گزری اور بالآخر انہوں نے اپنی صلاحیتوں اور انتھک محنت سے کامیابی و کامرانی حاصل کی اور معاشرہ میں اعلیٰ اقدار کے پاسدار بنے اور اونچے مقام تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ ہمارے نوجوان ضرور ان کی کہانی سننے کے لئے بیتاب ہیں۔ امید ہے یہ شخصیات آسکانی صاحب کے نقش قدم پر چل کر جلد از جلد اپنی آپ بیتی لکھنا شروع کرینگے۔ سب کے لیے نیک خواہشات۔

رمضان بلوچ 23 ستمبر 2021

یادوں کی دنیا

عبدالعزیز آسکانی صاحب کی خودنوشت ہے، جسے دیکھ کر میں انگشت بدنداں ہوں کہ ایک ایسا فرد جس نے ساری زندگی شماریات کے گورکھ دھندے میں گذاری اور محنت و مشقت سے اپنی زندگی میں ترقی کے نئے منازل طے کئے، جب وہ اپنی خودنوشت تحریر کرتا ہے تو ایسے گماں ہوتا ہے کہ گویا وہ ہمیشہ سے ہی لکھنے لکھانے سے وابستہ ہیں۔

آسکانی صاحب کی یادداشت غضب کی ہے، برسوں پہلے کے حالات و واقعات آج بھی پورے جزئیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں، اس بیان کی بڑی خوبی انکی روانی ہے کہ جس سادگی کے ساتھ وہ ان واقعات کو بیان کرتے ہیں تو قاری بھی انکی روانی میں بہتا چلا جاتا ہے۔

ایک سادہ دل جذباتی طبیعت کے مالک آسکانی صاحب کو رب العالمین نے بڑے ہمدرد قلب سے نوازا ہے جسکا ثبوت انکی تحریر میں جابجا نوجوان نسل کو مخاطب کرتے ہوئے انکی وہ نصیحتیں ہیں جو وہ پورے خلوص سے کرتے نظر آتے ہیں، وہ نہیں چاہتے کہ جن مشکلات کا سامنا اپنی عملی اور سماجی زندگی میں کرنا پڑا، وہ بھی ان سے دوچار ہوں، وہ اپنے ان مسائل کا بیان کرتے ہوئے اپنی سخت جدوجہد اور دن رات کی محنت کا بارہا ذکر کرتے ہیں اور آج بھی اپنی پیشہ وارانہ زندگی سے ریٹائرمنٹ کے بعد لیاری سمیت شہر کے مختلف علاقوں میں نوجوان نسل کی تربیت و رہنمائی میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

آسکانی صاحب معاشی مشکلات کے باعث میٹرک کے بعد ہی گھر کے معاشی مسائل کو بہتر بنانے کے لئے میدان عمل میں نکل آئے تھے اور جب انہیں موقع ملا تو وہ عرب امارات پہنچ گئے، ایک بلکل مختلف دنیا میں انہیں نئے چیلنجز کا سامنا تھا، ایک معمولی حیثیت سے بینک میں نوکری کا آغاز کیا اور بہت جلد اس نتیجے پر پہنچے کہ اس میدان میں تعلیم

کے بناء آگے بڑھنا مشکل ہی ناممکن ہے لیکن انہوں نے اپنی دن رات کی محنت سے نوکری کرتے ہوئے راتوں کو جاگ جاگ کر اپنی تعلیمی استعداد کو اس حد تک بڑھا لیا کہ وہ اسی بینک میں آفیسر ہو گئے۔ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں جانے دیتے، ایک کامیاب پیشہ وارانہ زندگی کے بعد آسکانی صاحب جب وطن واپس لوٹے تو بیشتر اوورسیز پاکستانیوں کی طرح انکے مستقبل ایک سوالیہ نشان تھا لیکن ماشاءاللہ دو جوان بیٹوں کی مدد سے اپنے کاروبار کا آغاز کیا اور محنت اور خلوص نیت نے انہیں اس میدان میں بھی کامیاب کیا، یہ وہ دور تھا جب پوری کراچی سمیت لیاری میں بھی بدامنی کا آغاز ہو چکا تھا، اسی دہشتگردی کا شکار آسکانی صاحب بھی ہوئے، انکے بڑے دست و بازو دہشتگردی کا شکار ہوئے، یہ آسکانی صاحب کی زندگی کا ایک فیصلہ کن موڑ ثابت ہوا، انہوں نے اتنے بڑے صدمے کے باوجود یہ فیصلہ کیا کہ جیسے میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے، دوسروں کو اس دکھ سے ہر ممکن بچاؤں گا، نامساعد اور مشکل حالات میں آسکانی صاحب نے ایک سماجی کارکن کے روپ میں لیاری کے ہر شعبہ زندگی میں اپنا کردار ادا کرنا شروع کیا اور ایک مختصر سے عرصے میں انہوں نے لیاری کے نوجوان نسل کی کردار سازی میں بے شمار پلیٹ فارمز سے اپنی خدمات سرانجام دیں اور آج نہ صرف لیاری بلکہ لیاری سے باہر بھی لوگ انکے حوصلے اور عزم و ہمت کی داد دیتے ہیں کہ اس عمر میں جہاں لوگ اپنے حلقے سے باہر نہیں نکلتے، آسکانی صاحب جواں سالوں کی مانند متحرک ہیں۔

انکی یہ خودنوشت یقینی طور پر ایک سنگ میل ثابت ہوگی اور دعا ہے کہ لیاری سمیت تمام قارئین انکے اس دردمندانہ پیغام کو سمجھیں اور اس پر عمل پیرا ہوں۔

شبیر حسین بلوچ

15 اکتوبر 2021

میری ایک عرض

میری کتاب ''یادوں کی دنیا'' میں میں نے اپنے بچپن سے لے کر آج تک (66) سالوں کی سنہری یادوں کو یکجا کر کے کتابی شکل دی ہے۔

یادیں انسان کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں اور وہ یادیں ہی ہیں جو انہیں ان کے بیتے ہوئے اچھے اور برے دنوں کی یاد دلاتے ہیں اور فلم اسکریننگ کی طرح وہ ماضی میں چلا جاتا ہے۔ میں نے اپنی اس تحریر کے ذریعے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ زندگی کے مراحل میں نے کیسے طے کئے تاکہ میری زندگی میں گزرے اچھے اور برے تجربات سے آئندہ نسلیں سبق حاصل کر سکیں۔

ہماری دنیا میں ٪70 لوگ اپنی یادوں اور گزرے لمحات کو اپنے ساتھ ہی دفن کر دیتے ہیں لیکن ٪30 لوگ اب بھی ہیں جو اپنی یادداشت کو قلمبند کر کے کتابی شکل دے کر تاریخ میں محفوظ کرتے ہیں۔

اس آپ بیتی کو کتابی شکل دینے سے پہلے میں نے اپنی ان یادداشتوں کو قسط وار فیسبک پر اپنی آئی ڈی پر تحریر کر کے پوسٹ کیں جسے لوگوں نے بے حد پسند کیا اور ان کا اصرار تھا کہ میں اپنی ''یادوں کی دنیا'' کو کتابی شکل دوں تاکہ نئی نسل کے لئے یہ کتاب ایک چیلنج ثابت ہو، وہ اس کتاب کو پڑھ کر صبر و برداشت اور اپنے رب پر یقین محکم رکھ کر اپنی منزل کا تعین کریں۔

اس کتاب کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے جن اہم شخصیات نے مجھے حوصلہ دیا اور ہمت دی ان میں سرفہرست سرڈاکٹر اختر بلوچ وائس چانسلر بے نظیر بھٹو شہید یونیورسٹی لیاری کراچی، انجنیئر سر امام بخش بلوچ سابق جنرل مینجر (انجینئرنگ) کراچی پورٹ ٹرسٹ اور کراچی شہر کی معروف سماجی شخصیت اور لیاری کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروجیکٹ کے روح رواں محترم سر عبدالرحیم موسوی شامل ہیں۔ ان کا میں ممنون و مشکور ہوں کہ آج میں بھی مصنفین کی صف میں آ کھڑا ہوا ہوں۔ امید کرتا ہوں جو لوگ میری کتاب کا مطالعہ کریں گے ان کو میری تحریر اور میرا انداز پسند آئے گا۔ کوتائیاں ضرور ہوں گی لیکن میں نے اپنی زندگی کی صحیح تصویر پیش کرنے کی ادنی سی کوشش کی ہے۔

آخر میں میں ان تمام دوست احباب کا شکریہ ادا کروں گا جن کی اخلاقی اور مالی امداد شامل حال نہ ہوتی تو یہ کتاب کبھی بھی منظر عام پر نہ آتی۔ ان شخصیات نے مجھ سے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کا وعدہ لیا ہے اسلئے میں ایک بار پھر ان تمام اکابرین کا دل کی گہرائی سے شکر گزار و ممنون ہوں۔

آپ کی دعاؤں اور نیک خواہشات کا طلبگار

عبدالعزیز آسکانی

23 ستمبر 2021

عملی زندگی میں پہلا قدم

کتاب ''یادوں کی دنیا'' دراصل میری ڈائری سے لی گئی میری زندگی کے بارے میں حقائق اور واقعات پر مبنی ہے۔

میری پیدائش 1955 میں کھارادر اور لیاری کے درمیان واقع مشہور سمینٹ میٹرنیٹی ہسپتال (کھارادہسپتال) میں ہوئی۔ میرے آباواجداد نے انیسویں صدی کے آخر میں کراچی لیاری میں سکونت اختیار کی اور اپنا تجارتی پیشہ برقرار رکھا۔ وہ کراچی سے بمبئی، ابادان، بصرہ اور افریقی بندرگاہوں تک جا کر تجارت کرتے تھے اور ہنسی خوشی سے زندگی کے دن اچھی طرح سے گزارتے تھے۔

میری ابتدائی تعلیم ابراہاملر پرائمری اسکول میں ہوئی اور ایس ایم لیاری سکینڈری اسکول سے میٹرک کیا۔

اسکول کے دوران اور اسکول سے فارغ ہونے کے بعد بھی اپنے والد محترم کے پرچون کی دکان میں ان کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ اس دکان سے الحمدللہ پورے خاندان کا گزارا آسانی سے ہوتا تھا اور دکھ سکھ کے تمام رسومات کو بڑی آسانی سے ادا کرتے تھے۔ زندگی اچھی ڈگر سے گزر رہی تھی اچانک میرے چھوٹے بھائی جس کی عمر اس وقت 8 سال تھی۔ ٹائیفائیڈ کے مرض میں مبتلا ہوا۔ ڈاکٹروں کی غلط تشخص کی وجہ سے کیس خراب ہوا اور وہ ایک زندہ لاش بن گیا۔

والد صاحب نے ان کے علاج کے لئے شہر کراچی کے اس وقت کے مشہور

ہسپتالوں اور اسپیشلسٹوں سے رابطہ کیا اور آخر میں Seventh Day Hospital میں اس کو ایڈمٹ کیا۔ علاج شروع ہوا اور اس میں ان کا سارا سرمایہ لگ گیا جس سے پرچون کی دکان بھی بند ہوگئی لیکن الحمدللہ چھوٹے بھائی کو نئی زندگی ملی۔ ابو جان نے بڑی جدوجہد کے بعد ایک کمپنی میں اسٹور کیپر کی حیثیت میں ملازمت اختیار کی اور پھر سے زندگی ہنسی خوشی سے رواں دواں ہوئی۔ لیکن گھر کے حالات ایسے نہیں تھے کہ میں آگے کی تعلیم جاری رکھتا۔ اس لئے میں نے بھی فشریز کی ایک فرم انٹرنیشنل کمپنی میں کولڈ اسٹوریج مشین کی اپرنٹس شپ کی نوکری اختیار کی۔

مجھے وہاں کام کرتے ہوئے دو سال کا عرصہ گزرا تھا کہ ہمارے ایک قریبی رشتہ دار جو ایرانی بلوچستان میں رہتے تھے ابوظبی سے کراچی آئے۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ وہ شیخ نہیان بن مبارک کے والد شیخ مبارک بن محمد النہیان سابق وزیر داخلہ الامارات العربیہ متحدہ کے پیلس میں ہیڈ کک تھے۔ وہ جب بھی کراچی آتے تو کراچی میں شاپنگ کر کے پھر یہاں سے ایرانی بلوچستان میں بائی روڑ چلے جاتے تھے۔ اس بار وہ دو سال بعد آئے تھے اور ہماری حالت زار دیکھ کر انہوں نے کچھ مدد کرنے کے بارے میں سوچا۔ یہ جون 1978 کی بات ہے کہ انہوں نے ابوظہبئ سے میرے لئے ویزا بھیجا۔

ٹکٹ کے پیسے میرے والد صاحب نے اپنے ایک دوست سے ادھار لئے اور میں اک انجان ملک کے سفر کے لئے روانہ ہوا!۔ سفر پر روانگی سے پہلے والدین نے اپنے نیک خواہشات اور دعاؤں کے ساتھ مجھے رخصت کیا۔ خاندان کے تمام بزرگوں، دوست احباب اور عزیزوں نے بھی اس موقع پر میرا حوصلہ بڑھایا۔

پاسپورٹ اور ویزہ کی جانچ پڑتال کے بعد کراچی ایر پورٹ پر ایمیگریشن آفیسر

نے مہر لگایا اور میں جہاز پر پہنچا۔ زندگی کا یہ پہلا ہوائی سفر تھا اس لئے ذہن میں کئی خدشات جنم لے رہے تھے۔ ''کہ یہ اتنا وزنی جہاز ہوا میں کس طرح اپنے بیلنس پر قابو پالے گا اور ہمیں ہمارے منزل مقصود تک کیسے پہنچائے گا''۔ یہ سفر دو گھنٹہ تک محیط تھا جو الحمدللہ سفر بخیر و خوبی اختتام پزیر ہوا۔ جہاز میں مسافروں کی اکثریت پاکستانیوں کی تھی اس لئے حوصلہ بڑھا۔ میری سیٹ کے برابر بیٹھے کراچی سے تعلق رکھنے والے ایک شخص سے جو بقول اس کے اکثر تجارت کے لئے سفر کرتے رہتے تھے بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا اور وقت کا پتا ہی نہیں چلا اور جہاز ابوظبئی کے انٹرنیشنل ائرپورٹ پر اتر گیا۔ ایمیگریشن اور کسٹم کے مراحل سے با آسانی گزر کر باہر نکلا تو میرے کزن وہاں میرے منتظر تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہم ابوظبئی شہر میں واقع قصر مبارک کی طرف روانہ ہوئے یہ قصر بطین کے علاقہ میں واقع تھا جہاں تمام شیخوں اور رئیس و امراء کے محلات تھے۔

قصر مبارک وزیر داخلہ شیخ مبارک بن محمد آل نہیان کی رہائشگاہ تھی۔ میرا ویزہ ان کے فرزند شیخ نہیان بن مبارک آل نہیان کا تھا۔ وہ اس وقت اپنی تعلیم اور تدریس کے لئے بیرون ملک مقیم تھے۔

❁❁

باب۔۲

شاہی محل میں پڑاؤ

ابوظبی یو اے ای کا دارالخلافہ ہے اور خوبصورت محل وقوع کے لحاظ سے خلیجی ریاستوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔اس کا زیادہ حصہ سمندر اور بقیہ ریگستان پر مشتمل ہے۔لیکن اس کی بناوٹ اور سجاوٹ پر حکومت کی توجہ سے اس وقت یہی لگا کہ مستقبل میں یہ دنیا کا خوبصورت ترین شہر قرار پائے گا۔

قصر کی جانب رواں دواں کار جس جس شارع سے گزر رہی تھی میں دیکھا سڑکوں پر ٹریفک کے قوانین پر پوری طرح عمل ہو رہا تھا۔حیرت کے ساتھ میرا خیال کراچی کی گاڑیوں کے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزیوں اور شارعوں کی زبوں حالی کی طرف گیا۔جو آج بھی اسی حال زار پر ہیں۔غرض آدھے گھنٹہ کے سفر کے بعد ہم ایک خوبصورت علاقہ میں داخل ہوئے جو منطقہ بطین کہلاتا ہے۔

یہاں پر خوبصورت محلات اسلامی طرز تعمیر سے بنے ہوئے تھے۔شارعوں کے اطراف سبزہ زار اور کھجور کے درخت تھے جس سے یہ ایک گرین لینڈ کا منظر پیش کر رہا تھا۔قصر مبارک خوبصورت محل نما کئی سو ایکڑ پر بنا ہوا تھا۔اندرونی جانب شیخوں اور ان کے بچوں کی رہائش گاہیں تھیں اور خواتین کے لئے ایک بڑا عالیشان مجلس (مہمان خانہ) گاڑیوں کے لئے کار پارکنگ اور وہاں کام کرنے والی خواتین (پیشکار) کے لئے کوارٹر بنے ہوئے تھے۔اطراف میں خوبصورت سبزہ زاروں نے ان محلات کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کیا ہوا تھا۔

قصر کے بیرونی حصہ میں شیخوں کے لئے ایک بہت بڑا اور جاذب نظر مجلس

(مہمان خانہ)، اسپورٹس کمپلکس، کار پارکنگ، جیٹی، (جہاں سے سٹیم بوٹ کے ذریعہ تفریح کے لئے سمندر کی سیر کے لئے جاتے تھے) ورکروں، ڈرائیوروں اور اسپیشل اسٹنٹس کے لئے کوارٹرز تھے۔

وہاں پہنچ کر کچھ دیر آرام کیا اور ظہر کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد کھانا آیا۔جو انواع واقسام کے کھانوں پر مشتمل چار، پانچ ڈش تھے۔''شاھی کھانا'' اپنے کزن اور ان کے دوستوں کے ساتھ کھایا۔اور رب کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا۔شام کو خالص دودھ پتی چائے کا دور چلا۔

قصر میں ایک پورشن کیچن کا تھا جس کا ذکر رہ گیا جو بہت بڑے ایریا میں پھیلا ہوا تھا۔اسٹور اور سلاٹر ہاؤس بھی وہیں موجود تھے۔قریب ہی سمندر کے ساحل پر گائے اور بکریوں کے لئے ایک بڑی جگہ مختص کی گئی تھی دودھ اور گوشت کی ضروریات یہیں سے پوری کی جاتی تھیں۔

صبح 11 بجے ابوظبی پہنچے تھے اور اب شام ہو رہی تھی۔مغرب کی نماز کے بعد کزن اپنا کام ختم کر کے آئے تو میں نے انہیں بتایا کہ کراچی فون کر کے۔گھر والوں کو اپنی خیریت سے پہنچنے کی اطلاع دینی ہے۔(اس وقت موبائل فون دستیاب نہیں تھا اور لوگوں سے رابطہ کے لئے گھروں میں PTCL کے فون نصب تھے) اس طرح شیخ کے گوشیہ مجلس جا کر کراچی فون کیا اور اپنی مسافرت اور ابوظبی شہر کے بارے میں مختصرا انہیں بتایا۔

مجلس میں بیٹھے تھے اس دوران شیخ مبارک روزانہ کی سیر سپاٹے سے واپس مجلس آئے۔تو کزن نے ان سے میرا تعارف کرایا وہ بہت خوش مزاجی سے ملے اور ہاتھ ملایا۔مجلس کے اندر ہی ان کا ایک آفس نما کمرہ تھا وہ وہاں چلے گئے اور میں اپنے کزن کے ساتھ

بطین کی خوبصورت اور وسیع جامع مسجد کی طرف روانہ ہوا۔ ساحل سمندر پر واقع یہ مسجد رات کی چاندنی میں زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ عشاء کے اذان کے بعد وہاں کزن نے پیش امام سے ملاقات کرائی اور بتایا کہ شیخ نہیان کے ویزہ پر آج پاکستان سے آئے ہیں۔ امام صاحب خندہ پیشانی سے ملے اور عربی زبان میں میرے ابوظبی آنے پر خیر مقدمی کلمات ادا کئے جو بعد میں کزن نے ترجمہ کر کے مجھے بتائے۔

رات کے کھانے کی ڈشیں کچھ مختلف تو نہیں البتہ کچھ ڈشیں نئ آئی تھیں۔ کھانا کھانے کے بعد وہیں کزن نے دیگر رشتہ داروں، دوست احباب سے جو قریبی شیخوں کے محلوں میں کام کرتے تھے۔ ان سے میرا تعارف کرایا اور یہ بیٹھک رات 11 بجے تک جمی رہی۔ کمرہ کشادہ تھا۔ بستر لگا کر خواب خرگوش کی طرح وہیں ایسے سو گئے کہ فجر کی اذان کے وقت ہی آنکھ کھلی۔

میرا ویزہ دراصل ڈرائیور کا تھا اور مجھے ڈرائیونگ نہیں آتی تھی بہرحال کزن نے مجھے حوصلہ دیا کہ جلد کام مل جائے گا۔ رہائش اور کھانے پینے کی کوئی پریشانی نہیں تھی اس لئے میرا حوصلہ بڑا۔

بینک میسینجر

تقریبا تین ماہ تک میں بے روزگار رہا کزن اپنے طور پر کام کے لئے بہت کوشش کرتے رہے لیکن لیبر کے علاوہ کوئی مناسب جاب نہیں مل رہی تھی۔ ایک دن کمرہ میں افسردہ بیٹھا اللہ سے اس مشکل گھڑی سے نکلنے کے لئے دعا مانگ رہا تھا اسی اثناء میں دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ دروازہ کھولا تو شیخ مبارک کے ڈرائیور نے آتے ہی مجھے یہ خوش خبری سنائی کہ ایک پاکستانی بینک میں میسینجر کی جاب ہے وہاں میں نے آپ کے لئے بات کی ہے۔ میں نے کزن کو بتایا اور دوسرے دن ہی بینک جا کر مینیجر سے ملا اور بحیثیت میسینجر کام پر لگ گیا۔

زندگی میں بیرون ملک کا پہلا سفر اب تک لطف اندوز تھا اور پہلی سروس مجھے پاکستانی بینک میں ہی ملی۔

اس طرح ہموطنوں کے ساتھ ایک قلبی لگاؤ کا سفر، ایک اچھے مستقبل کی تمنا اور محنت، برداشت اور اللہ کی رضاء پر ہمیشہ صبر کرنے کے اپنے والد محترم کے فلسفہ حیات کے ساتھ یہ سروس شروع کی۔

زندگی کے اس نئے سفر میں نئے تجربات سامنے آتے رہے اور انسان کی پہچان، شعور کی بلندیوں اور پستیوں نے جہاں مجھے انسانیت کے نئے رنگ وڈھنگ سے متعارف کرایا جو میرے لئے حیرت کا باعث بنے لیکن انسان شناسی کا تجربہ بھی حاصل ہوا۔

مجھے چند ہی دنوں میں بنک کے آفیسر سے لے کر نچلے اسٹاف کے طور طریقوں کا

پتا چلا۔ان کے مزاج کے مطابق میں نے چلنے کا فیصلہ کیا اور بہت سی باتیں برداشت کیں۔

بینک جوائن کئے ہوئے 3 ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ ہمارے مینیجر کو BCCI ساؤتھ افریقہ میں GM کی سروس ملی اور وہ مینیجر کی سیٹ اسٹنٹ مینیجر کے لئے چھوڑ گئے۔میری کارکردگی سے تمام اسٹاف اور نئے مینیجر صاحب بھی مطمئن تھے۔اس کی وجہ وقت کی پابندی اور جب تک کیش بک بیلنس نہیں ہوتا اور اکاؤنٹس کے لوگ موجود ہوتے تھے میں اپنا پورا وقت ان کے ساتھ گزارتا تھا جبکہ بقیہ اسٹاف 4 بجے اپنا کام بند کر کے گھر کی طرف چل پڑتے تھے۔ان عادات کو مینیجر نوٹ کر رہے تھے جس کا مجھے دو ماہ بعد پتہ چلا جب ایک دن میں اکاؤنٹس ڈپارٹمنٹ میں بیٹھا تھا تو مجھے مینیجر نے بلایا اور کہا آسکانی تمہاری فائل میں نے دیکھی ہے لیکن مجھے تمہاری تعلیمی قابلیت کے بارے میں کوئی علم نہیں یہ بتاؤ تمہاری تعلیم کہاں تک ہے۔میں نے کہا سر میں نے میٹرک کی ہوئی ہے۔انہوں نے کہا ''میٹرک تو کوئی تعلیم نہیں ہوتی آجکل لوگ گریجوشن کو پسند کرتے ہیں۔کوئی وجہ ہے کہ تم نے اپنی تعلیم پوری نہیں کی؟'' میں نے اپنی تعلیم کے حصول میں حائل مشکلات ان کے گوش گزار کئے۔ اس پر انہوں نے کہا ''پرائیوٹ امتحانات ایمبیسی کے ذریعہ ہوتے ہیں۔میں تمہارے لئے فارم لے آؤں گا۔تم انٹر کرنے کے لئے تیاری کرو۔''

اس کے بعد مینیجر نے مجھے اسٹنٹ مینیجر، اکاؤنٹس انچارج اور سی ڈی انچارج کو بلانے کے لئے کہا اور مجھے بھی بیٹھنے کو کہا۔انہوں نے تمام آفیسرز کو میرے بارے میں بتایا کہ مجھے اس نوجوان میں قابلیت کی جھلک نظر آرہی ہے۔اس لئے بینکنگ آورز کے بعد انہیں تمام ڈپارٹمنٹ کے چھوٹے موٹے کام سکھائیں۔

میری کہانی کا یہاں سے اب ایک نیا ٹرن شروع ہوا۔میں نے اپنی پوری توجہ

بینکنگ آورز کے بعد اکاؤنٹس کے واؤچرز، کیش بک اور اسٹیٹمنٹ کی تیاری کی سیکھنے کی کوشش میں لگادی۔ایک جنون سا سر پر طاری ہوا کہ اب اللہ کی مدد سے آگے کی منزل کو پانا ہے۔میں نے انٹر کے امتحانات کے فارم پُر کئے اور ضروری کاغذات کے ساتھ ایمبیسی میں جمع کر دئے اور یوں روزگار کے ساتھ ساتھ علم کے اصول کے میدان میں بھی قدم رکھا۔

ہمارے بینک میں نائٹ واچ مین سسٹم تھا۔ایک دن واچ مین جس کا تعلق یمن سے تھا وہ دن کے وقت آیا اور مینیجر سے چھٹیوں پر جانے کی بات کی۔مینیجر نے اس سے کہا کوئی بندہ لے آئیں تمہیں چھٹی دے دوں گا۔نائٹ واچ مین مینیجر کے کمرہ سے نکل کر اور میری جانب آیا اور مدعا بیان کر کے مجھے اپنی مدد کرنے کے لئے کہا۔۔میں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے میں رات ڈیوٹی کروں اور صبح بینک کھول کر میسینجر کی بھی سروس کروں۔تب اس نے ایک انکشاف کیا جس کو سن کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔

نائٹ واچ مین

اس نے کہا بینکوں کے نائٹ واچ مین رات بھر سوتے ہیں اور یہی ان کی ڈیوٹی ہوتی ہے اور اگر رات کو کوئی آ بھی جائے تو سینٹرل بینک آف ابوظبی کی طرف سے حکم ہے کہ واچ مین دروازہ نہ کھولے بلکہ فون پر ہی رابطہ رکھے۔

یہ سُن کر اور کچھ سوچ کر میں نے ہاں کر دی اور دو ماہ تک نائٹ واچ مین کی سروس پارٹ ٹائم کی کے بدلہ اس کی تنخواہ ہر ماہ مجھے ملتی رہی۔ جو میری اپنی تنخواہ سے بہت زیادہ تھی۔ ایسے موقعوں پر میں اللہ کی کرم نوازی کا بہت شکر گزار رہتا ہوں۔

الحمدللہ بینک میں سروس کرنے سے بینکنگ سیکھنے کا نادر موقع ملا اور ساتھ ساتھ اپنی تعلیم کو آگے بڑھانے کا شوق دل میں جاگ اٹھا۔ تعلیم کے سفر میں بینک آفسران کی مدد اور تعاون کو نہیں بھول سکتا۔ مجھے انٹر کے امتحانات کی تیاری میں بڑی مدد کی۔ میں بورڈ کے سالانہ امتحانات ایمبیسی کی معرفت دیئے۔ پرائیویٹ امتحانات میں یہاں رہائشی پاکستانیوں نے بھی حصہ لیا اور بہتوں نے کامیابی حاصل کی جس سے علم کے حصول کی جانب میرے جنون کو تقویت ملی سروس کے ساتھ ساتھ پڑھائی کی جانب بھی زیادہ توجہ دی۔ ہر سال بینک کی جانب سے انکریمنٹ مجھے ملنے لگے جس سے حوصلہ بڑھ گیا اور میں نے محنت اور ایمانداری سے کام کا سلسلہ جاری رکھا۔

ابوظبی شہر میں پاکستان کے ہر شہر اور ضلع کے لوگوں کی اکثریت موجود ہے جو گورنمنٹ اور پرائیوٹ اداروں میں سروس کرتے اور ماہ کے شروع ایام میں بینکوں کا رخ کرتے اور کچھ نہ کچھ زرمبادلہ پاکستان ترسیل کے لئے اسی بینک سے ڈرافٹ بناتے تھے۔ مجھے بینک کی سروس کے دوران یہ بھی فائدہ ہوا کہ میں نے یہاں رہ کر کئی زبانیں سیکھیں۔ یہ

زبانیں مختلف انداز سے بولی جاتی تھیں جس کا اندازہ مجھے سیکھنے کے دوران ہوا۔

بینک کی سروس کے دوران میں نے اپنی رہائش وہیں قصر مبارک میں ہی رکھی ہوئی تھی کیونکہ وہاں کے بہترین ماحول سے نکل کر دوسری جگہ ایڈجسٹ ہونا بہت Risky تھا۔ اسلئے ایک نئی بائیسیکل خریدی جس کے ذریعہ صبح ڈیوٹی پر آنا اور شام کو واپس جانا آسان ہو!۔

سروس ملنے کے بعد وہاں جو سب سے بڑا عمل ضروری ہوتا ہے وہ ویزہ ٹرانسفر کا ہے جس کے لئے پہلے کفیل کی NOC درکار ہوتی ہے خوش قسمتی سے تین ماہ کے اندر بینک کا ویزہ لگ گیا اور مجھے یہ خوف نہیں رہا کہ دوسری جگہ کام کر کے پکڑا جاؤں گا۔

اسلامی ملک ہونے کی وجہ سے یہاں جمعہ کے دن تعطیل ہوتی ہے اسلئے اکثر یہ دن سیر سپاٹے میں گزرتا تھا۔ امارات کی دیگر اتحادی ریاستوں سے ابوظبی بہترین تعلقات تھے جس کی وجہ سے وہ سب اسی پر تکیہ کئے ہوئے تھے۔ ابوظبی کے حاکم مرحوم شیخ زید بن سلطان آل نہیاں یو اے ای کے صدر اور دبئی کے حاکم مرحوم شیخ راشد بن محمد المکتوم نائب صدر اور وزیر اعظم تھے۔ ساتوں ریاستیں ان کی قیادت میں ترقی کی جانب بڑھ رہے تھے اور انہیں ان کی شاندار اور مدبرانہ قیادت پر ناز تھا۔

1980 کے آخر میں ہمارے منیجر کا انٹرنیشنل ڈویژن کراچی ٹرانسفر ہوا۔ ان کے جانے کا دکھ تو ہوا لیکن سوچا اس میں بھی شاید اللہ تعالی کی کوئی بہتری ہوگی۔ نئے منیجر بھی بہت اچھے اور کام کرنے والوں کو پسند کرتے تھے۔ پرانے منیجر تمام اسٹاف کے بارے میں ان کو بریف کر گئے تھے۔ اس لئے وہ کسی سے الجھتے نہیں تھے اور اپنے کام سے کام رکھتے تھے۔ ہر سال تمام اسٹاف کی سالانہ رپورٹ پاکستان جاتی تھی اور اسی رپورٹ کی بنیاد پر انٹرنیشنل ڈویژن سے انکریمنٹ اور پروموشن کے آرڈرز جاری ہوتی۔

یہ اپریل 1981 کا مہینہ تھا جب سب کے انکریمنٹ آئے لیکن مجھے انکریمنٹ

سے محروم رکھا گیا۔جس سے مجھے دکھ ہوا۔اس دوران منیجر نے مجھے اپنی کیبن میں بلایا اور کہا'' تم میرے ساتھ تیار ہو کر زونل آفس چلو۔'' میں خوف میں مبتلا ہوا آخر مجھ سے کونسی غلطی سرزد ہوئی ہے۔روانگی کے لئے کار میں جیسے ہی بیٹھے میں نے لرزتی آواز سے پوچھا سر! یہ کیا ماجرا ہے۔

انہوں نے جو الفاظ ادا کئے سُن کر پہلے تو حیرت ہوئی اور پھر جو خوشی حاصل ہوئی وہ میں بیان نہیں کرسکتا۔انہوں نے کہا'' آسکانی Hard work never goes un rewarded مبارک ہو تمہارا پروموشن ہوا ہے اور تم اب میسینجر نہیں اسٹنٹ بن گئے ہو۔ زونل ہیڈ آپ کے ساتھ خوشی منانا چاہتے ہیں۔''

پروموشن لیٹرز کی تقسیم زونل آفس ابوظئی کورنش روڈ میں زونل ہیڈ کی صدارت میں منعقدہ ایک سادہ تقریب میں ہوئی۔جس میں تمام برانچوں کے منیجرز اور ترقی پانے والے میسینجر ،کلرک اور آفسران شریک تھے۔

زونل ہیڈ نے بینک کی کارکردگی کا جائزہ پیش کیا اور اس شاندار کارکردگی میں منیجرز، آفسران اور تمام اسٹاف کی محنت کو خراج تحسین پیش کیا۔انہوں نے ترقی پانے والے افراد کو مبارکباد دی اور کہا کہ یہ سب آپکی سخت محنت اور ایمانداری سے ممکن ہوا اور اگر اسی جذبہ کو آگے لے کر آپ چلیں گے تو کامیابی آپکے قدم چھومے گی۔اس موقع پر تمام پروموٹیڈ اسٹاف کو ان کے پروموشن لیٹرز زونل ہیڈ نے دیئے اور تقریب کے اختتام سے پہلے شاندار Refreshments کا اہتمام کیا گیا۔

پروموشن ہونے کے بعد ایک نئے جوش اور ولولہ سے بینک کے کام میں دلچسپی لینا میں نے شروع کیا اور اللہ تعالی کا شکر ادا کیا کہ انہوں نے میرے مثبت عمل اور ترقی کے لئے دعاؤں کو اپنی بارگاہ میں قبولیت بخشی۔

زندگی کی سب سے بڑی خوشی

مجھے بینک کی سروس میں تین سال ہو گئے تھے اور والدین کا اسرار تھا کہ چھٹی لے کر آؤں۔اس موقع پر یہ بتاتا چلوں ابوظئی آنے سے پہلے میری منگنی ماموں زاد کزن سے ہوئی تھی اور میرے والدین میری شادی کے بارے میں بھی فکرمند تھے۔اسلئے میں نے ہمت کر کے دو ماہ کی چھٹی کی درخواست بینک میں جمع کرادی۔چھٹی کی جلد منظوری کے بعد میں ابوظئی سے پہلی بار کراچی آیا۔

پرانے وقتوں کی شادیوں کا اپنا ایک رنگ ڈھنگ تھا جس میں ہر برادری کے اپنی ثقافت اور رسم ورواج ہوتے تھے جو آج بہت کم شادیوں میں نظر آتا ہے۔ابوظئی سے کراچی پہنچنے کے پہلے ہفتہ میں ہی میری شادی خانہ آبادی خیر وعافیت اور اسلامی اقدار کے مطابق ہوئی۔

میں اپنے بھائیوں اور بہنوں میں سب سے بڑا تھا۔مجھ سے چھوٹی بہن کی شادی میرے چچازاد بھائی کے ساتھ میری شادی سے پہلے ہی ہو چکی تھی اور وہ ایرانی صوبہ سیستان بلوچستان میں مقیم ہیں وہ اور دیگر رشتہ دار بھی میری شادی میں شرکت کے لئے ایران سے آئے تھے میری شادی میں خاندان کے تمام افراد شریک ہوئے۔سب خوش تھے اور یہ میری زندگی کا سب سے زیادہ خوشی کا دن بھی تھا۔الحمدللہ شریک حیات ایک دین دار، خوش اخلاق اور کفایت شعار ہے۔جس کے لئے میں اللہ تعالی کا ہمیشہ شکرگزار رہوں۔

شادی کے بندھن میں جڑ کر ذمہ داریاں زیادہ ہوگئیں تھیں۔میں نے ماں باپ

اور بہن بھائیوں کی ذمہ داری کو ہمیشہ سرفہرست رکھا۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ اب شوہر کی حیثیت سے اسلام اور انسانیت نے میری ذمہ داری بڑھادی تھی۔ وہ بھی زندگی کے اس خوشگوار سفر کا ایک حصہ بن چکا تھا۔ دو ماہ کی چھٹیوں کے بعد واپس ابوظبی کے لئے روانہ ہوا تو میری فیملی کے تمام افراد خاص طور پر شریک حیات کی آنکھوں میں آنسوں امنڈ آئے۔دل تو میرا بھی بھر آیا لیکن زندگی میں ایسے مرحلے الوداعی موقعوں پر آتے رہتے ہیں۔اس لئے اس وعدہ پر کہ آئندہ انشاءاللہ سال پورا ہونے پر چھٹیوں پر آؤنگا سب سے رخصت ہوا۔

باب۔٦

ابوظبی واپسی

گلف ائیر لائن کی فلائٹ سے کراچی انٹرنیشنل ائیر پورٹ سے ابوظبی کے لئے روانہ ہوا۔ بہت آرام دہ اور تمام سہولیات سے مزین اس فلائٹ میں اچھی مہمانداری دیکھنے کو ملی۔ بہترین کھانا، فروٹ سلاد اور مشروبات سے تواضع کیا گیا۔ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد ابوظبی انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچے جہاں۔ بینک کے ایک دوست مجھے اپنی کار میں لینے آئے تھے۔

تمام راستہ کراچی کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی۔ شادی کی خوشی میں بینک کے ساتھیوں کے لئے مٹھائی کے پیک ڈبوں میں سے ایک انہیں دیا۔

ابوظبی پہنچ کر زندگی ایک بار پھر سے بینک کے کام کاج میں رواں دواں ہوئی۔ پروموشن ہونے کے بعد ہر ڈپارٹمنٹ کی یہ کوشش تھی کہ میں ان کے ساتھ کام کروں۔ مجھے بینکنگ آورز میں پبلک ڈیلنگ اور ڈرافٹ بنانے کے لئے کاؤنٹر پر بٹھایا گیا۔ جہاں پر مجھے ایک کمپیوٹر اور تمام ضروری لوازمات میسر تھے۔کاؤنٹر بند ہونے کے بعد مجھے کلیرنگ ڈپارٹمنٹ کے سپرد کیا گیا تاکہ چیکس کلیرنگ کے لئے شیڈول بنا سکوں اور انہیں بیلنس کرکے زونل آفس بھیجوں جہاں سے تمام برانچوں کے کلیرنگ چیکس سنٹرل بینک روانہ کردیا جاتا تھا۔ دوسرے دن ان چیکوں کے پاس ہونے پر سنٹرل بنک کے ذریعہ کریڈٹ ملتا تھا جبکہ چیک ریٹرن ہونے کی صورت میں وہ چیک اسی برانچ کے ڈپارٹمنٹ کو واپس کئے جاتے تھے۔

لنچ اور نماز کے لئے ایک گھنٹہ کا وقفہ ہوتا تھا۔ میں اپنا کھانا قصر سے ٹفن میں صبح ہی لے آتا تھا سہ پہر ساڑھے تین بجے تک اپنے کام سے فارغ ہوکر میں کمک کے لئے

دوسرے ڈپارٹمنٹس کی طرف رخ کرتا تھا۔ مقصد ان کی مدد کرنا اور دوم مجھے کام سیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ حقیقت یہ بھی تھی کہ وہ علمی میدان میں میری معاونت کر رہے تھے تا کہ میں انٹرمیڈیٹ سکینڈ ائیر کے امتحانات میں حصہ لے سکوں۔ یہ جذبہ خیر سگالی ایک دوسرے کے تعاون سے جاری تھا۔

تنخواہ کم ہونے کی وجہ سے مجھے ہر سال نائٹ واچ مین کی چھٹی کے دنوں میں اس کی جگہ ڈیوٹی بھی دینی پڑتی تھی تا کہ دو ماہ کی چھٹیوں کی تنخواہ مشکلات میں میرے کام آسکے۔ اسی طرح زندگی کے دن ہنسی خوشی گزر رہے تھے۔

الحمدللہ اس میں میرے والدین کی گرانقدر دعائیں شامل حال رہیں جس کی وجہ سے مجھے یہاں اچھے لوگوں کی صحبت ملی ورنہ یہاں ایسے لوگ بھی دیکھے جو اپنی پوری تنخواہ عیاشیوں میں اڑا دیتے اور پاکستان جاتے وقت بینکوں سے قرضہ لے کر جاتے تھے۔ دلچسپی کی بات یہ تھی کہ دو ماہ کی چھٹیاں ایک ماہ کے اندر ہی گزار کر واپس آتے اور آ کر بتاتے تھے پیسے ختم ہونے کی وجہ سے واپس لوٹ آئے ہیں۔ غالباً اس کی سب سے بڑی وجہ یہاں خلیجی ممالک میں بار اور ڈسکوکلبس کی آزادی تھی۔ جس سے امیر و غریب دونوں بقول شخصے اپنا غم غلط کرتے تھے!۔

ایک نیا آغاز

1981 کے بعد ابوظہبی میں ترقیاتی کاموں کا ایک بڑا سلسلہ چلا۔ پرانی عمارتوں کو منہدم کر کے کئی منزلہ بلڈنگوں کی نئی طرز سے تعمیر کا کام شروع ہوا۔ اس اقدام سے کنسٹرکشن کے میدان میں انقلابی تبدیلیاں آئیں اور بینکوں نے کنسٹرکشن کمپنیوں کے اکاؤنٹس اپنے بینکوں میں کھولنے کے لئے نئی پالیسیاں وضع کیں۔ اس سے بینکوں کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور کئی نئے اکاونٹس کے کھلنے اور انہیں سہولیات دینے سے بینکوں کے منافع میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

ترقیاتی کاموں کا سلسلہ یہاں تک محدود نہیں رہا بلکہ وہاں کی حکومت نے عوام کو بھی ان کے پرانے مکانات کے متبادل دوسری جگہ سوسائٹی بنانے کا ایک شاندار فیصلہ کیا جہاں انہیں زمین الاٹ کی اور تعمیر کے لئے ایک بڑی رقم ان کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر دیئے اس رقم کی بذریعہ بینک میونسپلیٹی کے لیٹر کے ذریعہ تعمیراتی کام کی بنیاد پر پے منٹ کرنے کا طریقہ کار واضع کیا گیا۔ اس طرح وہاں کے وطنیوں کے لئے بنگلہ تعمیر کرنے کے پلان منظور کئے گئے۔ اس سلسلہ کی شروعات پلان کے مطابق منطقہ مدینہ زاید سے کی گئی۔

میرا یہ سب بتانے کا مقصد وہاں کے حکمرانوں کی اپنے عوام کے لئے خدمات کو آپ کے گوش گزار کرنا ہے اور یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ ایسے سودمند پروجیکٹس کی ابتدا ہونے کے ساتھ ہی تمام بینک متحرک ہو گئے۔ زیادہ سے زیادہ وطنیوں مواطنین کے اکاؤنٹس اپنے بینکوں میں کھولنے کے لیئے ٹیمیں ترتیب دینی شروع کی گئیں۔

اس وقت مجھے برانچ میں چار سال پورے ہو چکے تھے اور عربی زبان میں میری مہارت بینک کے افسران اور اسٹاف سے قدرے بہتر تھی اس لئے برانچ منیجر نے مجھے اور ایک آفیسر کو اس اہم ٹاسک کے لئے منتخب کیا اور تاکید کی مدینہ زاید منطقہ جا کر ڈور ٹو ڈور کمپین کریں اور معاوضہ کے اکاؤنٹس کھولنے کی ''تبلیغ'' کریں۔ یہ بہت ہی سخت ترین مرحلہ تھا کہ نئے اور وہ بھی عرب بدو لوگوں سے جا کر اکاؤنٹ کھولنے اور معاوضہ ٹرانسفر کرنے اور اتھارٹی دینے کی بات کی جائے۔

روزمرہ کا کام ساڑھے تین بجے ختم کرنے کے بعد منیجر کے کیبن میں بیٹھ کر اس اہم ٹاسک پر صلح مشورہ شروع۔ منیجر کا اصرار تھا کہ اگر اکاؤنٹ نہیں کھولیں گے تو کم از کم ہمیں اپنے گھر سے کچھ کھائے پیئے بغیر وہ جانے نہیں دیں گے۔ اسلئے اپنا مقصد کو حاصل کرنے بڑے عزم و ہمت سے میدان میں اتریں!

اللہ کو یاد کر کے ہم دونوں منطقہ مدینہ زاید پہنچے۔ یہاں مکانات پرانے طرز تعمیر کا نمونہ پیش کر رہے تھے اور بظاہر زیادہ مکانات اچھی حالت میں تھے۔ لیکن حکومت ایک ماڈرن سوسائٹی کی صورت میں اپنے لوگوں کے مکانات کے نئے اور جدید طرز تعمیر سے بنتے دیکھنا چاہتی تھی۔ اس مقصد کے لئے حکومت اس علاقہ کے لوگوں کو ایک اچھے محل وقوع پر جگہ دے کر بسانا اپنا فرض سمجھتی تھی۔

عربوں کے گھروں میں ''مردانہ مہمان خانہ'' زیادہ تر بیرونی حصہ میں ہوتے ہیں۔ گھر کے مالک سے کوئی ملنا چاہتا تو نوکر انہیں مہمان خانہ میں بٹھاتے تھے۔ ہمارے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا پہلے بنگلہ پر گھنٹی بجھائی تو نوکر نے آ کر سلام کیا۔ ہم نے صاحب خانہ سے ملنے کا کہا۔ جس پر انہوں نے ٹاٹ باٹ ٹائی سوٹ میں دیکھ کر ہمیں مہمان خانہ میں

بٹھایا۔ پانی اور چائے پیش کی اور خود اندرون خانہ چلا گیا۔ تقریباً دس منٹ بعد ایک ادھیڑ عمر عرب مجلس میں داخل ہوا اور سلام کیا۔ ہم نے اٹھ کر تعظیم سے انہیں سلام کا جواب دیا اور مصافحہ کیا۔ انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہم بیٹھ تو گئے لیکن پریشانی یہ تھی کہ تھوڑی دیر بعد جب ہم اپنا مدعا بیان کریں گے تو وہ ہمیں باہر کا راستہ دکھا دے گا۔ لیکن اس کے برعکس اس نے ایک بار پھر سے ہمیں چائے اور قہوہ پلایا۔ اس دوران نوکر فروٹ سے بھرا ٹرے لے آیا۔ اور ایک ایک پلیٹ ہمارے سامنے چھری کانٹے کے ساتھ رکھا۔

ہم اس شش و پنج میں تھے بات کس طرح شروع کی جائے۔ اسی اثناء میں انہوں نے ہم سے پوچھا آپ کا تعلق کس بینک سے ہے۔ میں نے اپنے بینک کا نام انہیں بتایا اور کہا ہماری برانچ آپ کے گھر کے قریب ہی ہے۔ ہم اس لئے آئے ہیں آپ اپنا ایک چھوٹا سا اکاؤنٹ ہمارے پاس بھی کھولیں۔ میری ٹوٹی پھوٹی عربی زبان سن کر وہ خوب محفوظ ہوئے اور مسکرا کر کہا ''بی سی سی آئی (BCCI) میں میرا پرانا اکاؤنٹ ہے اور میں ان کی خدمات سے خوش ہوں۔ پھر بھی آپ لوگ آئے ہو تو انشاء اللہ اپنا ایک اکاؤنٹ آپ کی برانچ میں بھی آ کر کھولوں گا''۔ یہ سن کر ہمارے حوصلہ بلند ہوئے۔ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر شیخ زاید کی اچھی پالیسیوں کی تعریف کی اور ان کے لئے دعائیہ کلمات کہے اور پھر جانے کی اجازت مانگی۔ ''مہم جوئی'' کا یہ ہمارا پہلا دن تھا!

پہلے دن مدینہ زاید میں چار گھروں میں جا کر ہم نے اپنی مہم کا آغاز کیا۔ اور پھر امید افزاء صورتحال کی رپورٹ جا کر منیجر کو دی۔ جس سے وہ بہت خوش ہوئے، ہماری حوصلہ افزائی کی اور اپنے تجربات سے ہمیں مستفیض کیا جو آگے چل کر ہمارے لیئے بہت سودمند ثابت ہوئے۔

ڈپازٹس کا ایک طویل مدت تک کسی بینک میں رہنا اس بینک کی ساکھ کو اچھا بنانے کے لئے بہت ضروری ہوتا ہے۔اس لئے معاوضوں کا بینک میں جمع ہونا ہر بینک کے لئے سودمند ثابت ہوتا ہے کیونکہ اکاؤنٹ ہولڈر قسطوں میں بینک سے رجوع کرتا ہے جبکہ سال بھر رقم کا بڑا حصہ اس برانچ میں پڑا رہ جاتا ہے۔منطقہ مدینہ زاید میں مہم جوئی کے دوران ایسے مواقع بھی آئے جب عربوں نے دروازہ پر ہی کڑوی باتیں سنا کر ہمیں ''پسپا ہونے'' پر مجبور کیا لیکن ہم نے حوصلہ نہیں ہارا بلکہ ہفتہ میں 6 دن ہر شام اپنی اس مہم میں جتے رہے۔ بلآخر چار ماہ کی جدوجہد کے بعد 20 اکاؤنٹ کھلوانے میں ہم کامیاب ہوئے۔

باب۔۸

اپنا مسکن

ان میں سے بعض جو مالی طور پر پریشان حال تھے انہیں قرضہ کی آفر بھی کی اور انہیں قرضہ معاوضہ کی قانونی اتھارٹی لیٹر حاصل کرنے کے بعد ہی دی۔ اس طرح 15 وطنیوں کو قرضہ دے کر اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کے چیک اب کسی اور بینک کو نہیں جائیں گے۔اس طرح زندگی میں پہلی بار پبلک ڈیلنگ کے اہم مراحل سے گزرنے کا مجھے موقع ملا۔ یہ ایسے تجربات تھے جن سے آگے جا کر بہت سے موقعوں پر مجھے کافی فوائد حاصل ہوئے۔

بلآخر وہ دن آیا جب معاوضہ کی تقسیم ابوظبی شہر کے میونسپلٹی آفس میں ہوئی۔ وہاں ہر بینک کے نمائندے اپنے اکاؤنٹس ہولڈز کے چیک وصول کرنے کے لئے موجود تھے۔جن بینکرز کے پاس اتھارٹی لیٹر تھے انہیں چیک با آسانی دستخط لے کر دیئے گئے۔ لیکن باقی چیک وطنیوں کی موجودگی اور رضامندی سے اس کے منتخب کردہ بینک کو دیئے گئے۔ اس طرح ہمیں 20 کے بجائے 22 چیک وصول ہوئے دراصل ہم نے وہیں ''کھڑے کھڑے'' بھی مہم جوئی کی اور پرکشش خدمات کا بار بار تذکرہ کر کے دو چیک مزید وصول کئے جو BCCI کے کلائنٹ تھے۔

22 چیکس کی رقم تقریباً 60 ملیون درہم آنے سے بینک ڈپازٹ شوٹ کر گیا جس سے ہر طرف ہماری واہ واہ ہو رہی تھی۔زونل ہیڈ نے ایک بڑے ہوٹل میں تقریب کا اہتمام کیا۔جس میں تمام برانچیز کے منیجرز اور اسٹاف نے شرکت کی جو اس مہم کا حصہ تھے۔

ان آفیسرز اور کلرکس کو زونل ہیڈ نے قیمتی گفٹ اور تعریفی سند پیش کئے اور ان کی کارکردگی کی تعریف کی۔

ویسے تو ہر سال بینک سے مجھے خاطر خواہ انکریمنٹ کہ رقم مل جاتی تھی۔ اس کارکردگی کے بعد 1983 میں مجھے ٹرپل انکریمنٹ کے قابل سمجھا گیا جو ایک اعزاز کی بات تھی۔ ہر سال چھٹیوں پر ایک ماہ کے لئے میں کراچی جاتا رہا اور فیملی بھی خوش تھی اور والدین بھی خوش تھے۔ اس بار چھٹیوں پر میری ملاقات ہمارے آبائی گھر کے قریب رہنے والی ایک معمر خاتون سے ہوئی جنہوں نے دبے الفاظ میں اپنے مکان کو فروخت کرنے کی بات کی میں نے ان سے کہا خالہ جب مکان بیچنے کا پکا ارادہ ہو تو میری امی کو بتا دینا انشاءاللہ خریدیں گے۔ چھٹیاں گزار کر میں واپس ابوظہبی آیا اور پھر سے اپنے کام کاج میں مصروف ہو گیا۔ تقریباً ایک ماہ بعد گھر سے اطلاع آئی کہ وہ خاتون اپنا گھر فروخت کرنا چاہ رہی ہیں لیکن قیمت کچھ زیادہ بتا رہی ہے۔

اس وقت ساڑے پانچ لاکھ کی رقم بہت تھی۔ اس لئے مجھے کہا گیا کہ منع کر دیتے ہیں لیکن میں نے چونکہ اس خاتون سے وعدہ کیا ہوا تھا اس لئے میں نے کہا سودا Done کرلو۔ میں ایک ہفتہ کے اندر پیسے بھیج دوں گا۔ اس کو قرضہ لے کر ایک ہفتہ کے اندر اندر ہی پوری پے منٹ کر دی۔ بعد میں اس عمارت کو منہدم کر کے اس کی نئے سرے سے تعمیر شروع کرنے کے لئے والد صاحب اور بھائیوں کو کہا۔ جمع پونجی اس وقت کام آئی اور گراؤنڈ فلور کی تعمیر شروع ہوئی اور الحمدللہ پہلی منزل بن گئی۔

اسی دوران انٹرسکینڈ ائیر کے نتائج آ گئے تھے اور میں اچھے نمبروں سے پاس ہوا تھا اس خوشی میں میں نے بینک میں ایک چھوٹی سی پارٹی رکھی جس میں سب شریک ہوئے۔

باب۔۹

ایک ناراض دوست

1984 مارچ کے مہینہ میں انٹرنیشنل ڈویژن کراچی سے انکریمنٹ اور پروموشن لیٹر آ گئے تھے اس مرتبہ پھر سے انکریمنٹ کی لسٹ میں میرا نام غالب تھا۔ منیجر سے استفسار کیا تو انہوں نے بتایا پروموشن کے دو کیس اس برانچ کے گئے ہیں۔ سب کے انکریمنٹ آ گئے ہیں اس کا یہ مطلب ہوا کہ صرف آپ کا پروموشن کلرک سے آفیسر گریڈ 3 کے لئے ہوا ہے۔ لیکن کنفرم شام تک ہوگا۔ شام کو انہوں نے مجھے کنفرم کیا اور کہا اس بار ہوٹل ہلٹن میں تمام پروموشنز کو سیلیبریٹ کیا جائے گا اور کل یہ ڈنر پارٹی رکھی ہے۔ تمام برانچوں کے منیجرز اور پروموٹیڈ آفیسران اور اسٹاف نے اس تقریب میں شرکت کی اور اس موقع پر زونل ہیڈ نے سب سے پہلے مجھے پروموشن لیٹر دیا۔ لیٹر دینے سے پہلے میرے بارے میں ایک چھوٹی سی بریفنگ دی ''کچھ لوگ اپنی محنت اور لگن کے ساتھ آگے کی طرف ہمیشہ دیکھتے ہیں ان ہی لوگوں میں ایک قیمتی ہیرا آسکانی ہیں جن کی وجہ سے ہمارے بینک کو شاندار کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں''۔ یہ انتہائی فخر کا مقام تھا کہ سینئرز میرے لئے اتنی محبت اور پیار کا اظہار کر رہے تھے۔

کلرک سے آفیسر گریڈ 3 میں میری ترقی سے جہاں بینک اور برانچ کے سب لوگ خوش تھے وہیں ایک سینیئر کلرک بہت ہی غمگین تھا وجہ یہ تھی کہ انہیں پروموشن سے محروم کیا گیا تھا۔ میرے اس دوست اور سینیئر کلرک (جن کا تعلق کراچی سے تھا) نے دوسرے دن بینک آ کر ایک ہنگامہ سا کھڑا کر دیا اور منیجر کو بہت برا بھلا کہا اور شور وغل کرتا رہا۔ اس طرح کے احتجاج پر منیجر نے انہیں اور اسسٹنٹ منیجر کو اپنے کیبن میں بلایا اور موصوف کو اس طرح احتجاج سے منع کیا اور کہا اگر آپ کو کوئی چیز بری لگی ہے تو مجھے آ کر بتاتے۔ اس انداز سے

آپ بات کر کے اپنے رتبہ کی توہین کر رہے ہیں اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔

منیجر صاحب نے مزید انہیں گوش گزار کیا کہ بینکوں کے چند اہم اصول ہوتے ہیں جس پر منیجر غیر جانبداری سے عمل کرتے ہیں۔ اور اللہ کو حاضر ناظر جان کر سالانہ رازدارانہ اطلاع ACR بناتے ہیں۔ اس بار میں نے اپنی برانچ سے پروموشن کے لئے دو کیس ایمانداری اور اچھی رپورٹ کے ساتھ بنا کر بھیجے اور زونل آفس نے بھی Approve کر کے انٹرنیشنل ڈویژن کراچی روانہ کر دئے۔ جس میں سے انہوں نے عبدالعزیز آسکانی کو پروموٹ کیا۔

''اس کے وجوہات روز روشن کی طرح عیاں ہیں انسان اچھی کارکردگی پر بنک آفیسر بنتا ہے باقی رہا سینیر ٹی کی بنیاد پر پروموشن تو میں اس بات کا مخالف نہیں ہوں سینیئر ز کے بھی پروموشن ہونے چاہیئے''۔ یہ کہہ کر انہوں نے دو فائلیں اپنی الماری سے نکال کر ٹیبل پر رکھیں۔ جن میں ایک میری اور دوسری سید ناصر حسین رضوی کی تھی۔ انہوں نے دونوں فائلیں پہلے اسٹنٹ منیجر اور اس کے بعد ہم دونوں کو پڑھنے کے لئے دیں اور کہا جو ترقی کے لئے سفارشات میں نے آپ دونوں کی بھیجی تھیں وہ ایک جیسی ہیں۔ اب کیا وجوہات تھے کہ آسکانی کا کیس ہو گیا اور آپ کا رہ گیا حالانکہ مجھے پورا یقین تھا دونوں کیس او کے ہوں گے ایک سینیر ٹی کی وجہ سے اور دوسرا ڈپازٹ اور Hard working کی بنیاد پر۔ انٹرنیشنل ڈویژن نے اپنی پالیسی کے مطابق صرف آسکانی کا کیس منظور کیا۔ اس میں میرا یا زونل ہیڈ کا کوئی قصور نہیں ہے۔

یہ سب کچھ سننے اور فائل دیکھنے کے بعد رضوی نے معذرت کی اور منیجر سے معافی مانگی۔ منیجر نے کہا رضوی میں چاہتا ہوں تمہارے دل میں جو آگ بھڑک رہی ہے اسے ٹھنڈا کروں تمہارے برا کہنے سے میں برا نہیں بنتا میرا دل آپ کی طرف سے صاف ہے۔ اسلئے

میں ایک بار پھر آپ کا کیس بھیجوں گا۔ انشاءاللہ اس بار ہو گا۔ منیجر کے کیبن سے نکلنے کے بعد ناصر رضوی نے مجھے گلے لگایا اور پروموشن پر مبارکباد دی اور اپنے ''سابقہ'' رویہ پر معذرت کی۔ میں نے انہیں یقین دلایا سب اللہ کی رضا سے ہوا ہے۔ مجھے اپنے پروموشن کیس کا آخر تک علم نہیں تھا۔ یہ سب اللہ کے کرم سے ہوا ہے اور انشاءاللہ آپ کا پروموشن عنقریب ہو گا۔ اس کے بعد ہم مل کر برانچ کو پارٹی دیں گے۔

ابوظبی شہر اور العین شہر اپنی خوبصورتی کی وجہ کے ساتھ ساتھ خوب سیرت وطنیوں کی وجہ سے بھی مشہور ہیں۔ یہاں کے لوگ نفیس اور انسان دوست ہیں۔ اپنے رشتہ داروں عزیزوں اور نوکروں کے ساتھ ایک ہی دسترخواں پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ہاتھ سے کسی کو نقصان نہ ہو۔ اس بات کا کریڈٹ میں امارات ابوظبی کے مرحوم حکمران شیخ زید بن سلطان آل نہیان کو دوں گا۔ جنہوں نے انقلاب کے بعد سے جو ترقی کی اس کے ثمرات بانٹ کر کھائے۔ انہوں نے امیروں، شیخوں کے ساتھ ساتھ اپنے وطنیوں کو بھی برابر کا حق دیا جو تیل کی آمدنی یا کسی اور مد میں ہو۔ اس لئے وہاں کے عوام خوشحال تھے اور شیخ کے اقوال زریں کی پیروی کرتے تھے وہ انسانیت کی ایک زندہ مثال تھے۔

اس کے برعکس جب ہم امارات کی دوسری ریاستوں کی جانب تفریح کی غرض سے جاتے تھے تو ان کے رویہ سے لگتا تھا کہ ابوظبی کے عوام اور ان ریاستوں کے عوام میں ایک واضع فرق موجود ہے۔ اس کی اہم وجہ جو میں نے مشاہدہ کیا وہ یہ کہ ان امارات کے حکمرانوں نے اپنے عوام کو حقوق کی منصفانہ تقسیم سے دور رکھا ہوا تھا۔ اس وجہ سے وہاں کے وطنی تناؤ کا شکار تھے اور ایسے حالات میں وہ اپنے نوکروں سے بھی اچھا برتاؤ نہیں رکھتے تھے۔

باب۔۱۰

زندگی کے دھوپ چھاؤں

شادی کے ایک سال کے اندر ہی اللہ تعالی نے مجھے ایک پیارا سا بیٹا عطا کیا جس کا نام عبدالحفیظ رکھا گیا۔

آفیسر بننے کے بعد میری فیملی بھی بہت خوش تھی کیونکہ مجھے اب وہاں فیملی کے ساتھ رہائش اور ویزہ حاصل کرنے کہ سہولت مل چکی تھی۔انہیں ابوظبی لانے کا ویزہ اور رہائش مل سکتا تھا۔ فی الحال میری رہائش، کھانا اور تمام سہولیات قصر مبارک میں تھیں۔ میرے کزن بھی میری ترقی پر خوش تھے اور اکثر وہ مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے مستفیض کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالی کی تمام عنایتوں کا شکر گزار میں ہمیشہ رہتا ہوں۔ ان تمام عنایتوں کا ذریعہ میرے کزن تھے اسلئے اللہ تعالی سے ہمیشہ ان کی درازی عمر اور عزت و اکرام کے لئے دعا کرتا رہتا تھا۔ وہ خوش اخلاق اور ملنسار طبیعت کے مالک تھے۔ان کے ماتحت اسٹاف ان سے بہت پیار کرتے تھے اور ان کے ساتھ ان کا رویہ دوستانہ ہوتا تھا۔ غلط کام پر وہ انہیں ڈانٹتے تھے اور قصر میں اکثر دعوتوں کے موقعوں پر اچھا اور نفیس کام کرنے پر انہیں شاباشی بھی دیتے تھے اور شیخوں سے ان ورکرز کی ترقی کے لئے بھی بات کرتے تھے۔

پروموشن ہونے کے بعد میری ذمہ داریوں میں اضافہ ہو چلا تھا اور ان معاوضہ کے اکاؤنٹس کی دیکھ بال بھی میری ذمہ داری میں شامل تھی۔ یہ نومبر 1984 کی بات ہے جب کراچی انٹرنیشنل ڈویژن سے ایک نئے منیجر کا ہماری برانچ میں ٹرانسفر ہوا۔ نئے مینیجر کا

تعلق کراچی سے تھا اور وہ منجھے ہوئے اور اچھے انسان لگ رہے تھے۔ بینک کے کام کا ان کو کافی تجربہ حاصل تھا لیکن یہاں مروج زبان کی وجہ سے پریشان تھے۔عربی زبان سے ناواقفیت ان کے لیے ایک بڑا مسئلہ تھا۔ اسلئے انہوں نے مجھے اپنی کیبن کے برابر ہی ایک خوشنما کارنر بنا کر ٹیبل کرسی اور سامنے صوفے لگا کر دیئے تا کہ عربی کلائنٹ کو میں ہی ڈیل کروں۔ اب بینکنگ آورز میں زیادہ وقت پبلک ڈیلنگ پر مرکوز رہا۔ خاص کر ان عربی کلائینٹ کو سروس دینا تھا جو ڈائریکٹ منیجر کے کیبن میں آجاتے تھے۔ پبلک ڈیلنگ 1 بجے تک تھی اس کے بعد میری ڈیوٹی لون ڈپارٹمنٹ میں رکھی گئی تا کہ لوگوں کے لون کے مسائل دیکھوں اور عرصہ دراز سے دیئے گئے قرضوں کی ریکوری پر اپنی ذمہ داری پوری کروں۔

1985 میری زندگی میں ایک غمناک سال رہا۔ اس سال میرے والد محترم ہمیں چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے بیماری کے ایام میں میں نے تین بار کراچی کا سفر کیا اور ان کے علاج پر پوری توجہ دی۔ یاد ہے وہ مجھے آنے سے منع کرتے تھے اور کہتے تھے تم گھرانہ کے لئے ایک ہی آس ہو۔ اسلئے اگر اس طرح تم آیا جایا کرو گے تو تمہاری جاب چلی جائے گی۔ میں ان کو دلاسہ دیتا تھا کہ میرے بینک کے تمام لوگ اچھے ہیں اور میرے دکھ سکھ کے ساتھی ہیں اسلئے اللہ تعالی آپ کو صحت اور تندرستی دے میری فکر نہ کریں۔ لیکن اللہ کی رضا کے آگے انسان بے بس ہے۔ والد صاحب کی وفات سے مجھے ایسا لگا کہ سایہ دار درخت ہمارے سر سے سرک گیا ہو۔لیکن اللہ تعالی کا میں لاکھ لاکھ شکر گزار ہوں انہوں نے مجھے عزم و ہمت دی اور میں اپنے خاندان کے اس دکھ کی گھڑی میں حوصلہ بن کر ابھرا۔

میں اپنے والد کی وفات سے 10 دن پہلے کراچی پہنچا تھا میرے آنے سے پہلے

میرے چچا، کزن اور فیملی ممبران بھی بلوچستان ایران سے آئے ہوئے تھے۔ 10 دن بعد میں واپس ابوظبی کے لئے روانہ ہوا۔ چھوٹی سی عمر اور نوجوانی میں بھاری ذمہ داریوں کا آنا اللہ تعالی کی طرف سے امتحان ہوتا ہے اور اس موقع پر اللہ تعالی ان کے آخری پیغمبر حضرت محمدؐ اور قران مجید و احادیث کی رہنمائی حاصل ہو اور انسان کی سوچ بلند ہو تو ہر مشکل مرحلہ آسان بن جاتا ہے۔

باب۔11

فیملی ویزہ

ابوظبی آ کر بینکنگ میں پھر سے اپنی زندگی کے اچھے اور پروقار دن گزارنے لگا تھا۔ منیجر کے قریب رہنے سے مجھے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ بینکنگ آورز کے بعد اچھے کلائنٹس سے ملنے چلے جاتے تھے اور ان کے توسط سے کچھ اور نئے اکاؤنٹس ہمیں ملے۔ مینیجر میری پریکٹیکل کارکردگی کو دیکھ کر کافی مطمئن اور مجھ سے خوش تھے۔

ایک دن میں نے ان سے اپنی فیملی کے ویزہ کے لئے بات کی اور ساتھ ساتھ رہائش کی بھی بات کی۔ جس پر انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ زونل آفس جا کر زونل ہیڈ سے اس سلسلہ میں بات کریں گے۔ میرے والد کے انتقال کو 6 ماہ کا عرصہ گزرا تھا۔ میں نے ایک دن اپنی والدہ سے اپنی بیوی اور بیٹے کو ابوظبی اپنے پاس لے جانے کی بات کی۔ انہوں نے خوشی اور رضامندی کا اظہار کیا۔ جس پر میں فیملی کو بلانے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوا۔ اور ویزہ پروسیس شروع کیا جو ایک ہفتہ کے اندر ہی ویزہ مل گیا۔ اسی اثناء میں منیجر نے رہائش کے لئے میری درخواست کی منظوری کا لیٹر دکھایا جس کے مطابق میں دو بیڈ روم کا فلیٹ کرایہ پر لے سکتا تھا۔ الحمدللہ سب کام خوش اسلوبی سے ہوئے اور میری فیملی کراچی سے ابوظبی خیریت سے پہنچی۔

میرے کزن جس نے مجھے پردیس میں آنے اور اس سفر کو جاری رکھنے میں ہر ممکن مدد کی تھی وہ میرے اس فیصلہ سے خوش تھے۔ اور اکثر اوقات قصر سے اچھی اچھی ڈشیز بنوا کر ہمارے لئے لاتے تھے۔ میرے اس فیصلہ نے انہیں سوچنے پر مجبور کیا کہ وہ بھی اپنی فیملی کو وہیں بلا لے۔ حالانکہ شیخوں نے اکثر ان کو یہ آفر کی تھی کہ چھٹی مت جایا کریں بلکہ

اپنی فیملی کو یہاں لے آئیں تا کہ تمہارے جانے سے قصر کے کاموں میں جو فرق پڑتا ہے وہ نہ ہو۔ اس لئے یہ نادر موقع تھا انہوں نے شیخہ سے اس بارے میں بات کی۔ انہیں مثبت جواب ملا اور ویزہ کے لئے شیخ کے آفس جا کر پیپر جمع کرا دیئے اور رہائش انہیں وہیں قصر کے اندر دی گئی۔ ان کی فیملی بھی ایک ماہ کے اندر ہی ابوظبی پہنچ گئی۔ ان کی فیملی کے آنے سے روابط مضبوط تر ہوئے۔ کبھی وہ اپنی فیملی کو ہمارے فلیٹ میں چھوڑ جاتے تھے اور شام کو لینے آجاتے اور کبھی کبھار میری فیملی ان کی طرف جاتی تھی۔ اس طرح ہم ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ساتھ رہنے لگے۔

پورا دن بینک میں گزرتا تھا اور شام کو گھر پہنچنے پر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد بچوں کے ساتھ باہر تفریح کی غرض سے نکلنا معمول بن گیا تھا۔

جمعہ کو چھٹی کا پورا دن گھر میں فیملی کے ساتھ ہی گزارنا پسند کرتا تھا۔ اس دن اپنی پسند کے پکوان بنواتا اور کبھی کبھی خود بھی کھانا بنانے کے عمل میں شریک ہو جاتا تھا۔ اور شام کو سیر و سیاحت کے لئے کورنش کی طرف نکلتے جو ساحل سمندر پر بہت طویل اور خوبصورت تفریح گاہ تھی۔ جسے اب اور بھی توسیع دے کر بہت ہی خوبصورت بنایا گیا ہے جس کی وجہ سے ابوظبی شہر کے حسن میں چار چاند لگ گئے ہیں۔

❁❁

ایک اچھا دوست

سروس کے دوران میری دوستی عبدالرحمن سے ہوئی وہ وزارۃ داخلہ میں سروس کرتے تھے اور ان کے تعلقات اپنے ادارہ کے افسران سے اچھے تھے۔ ان کی فیملی عرصہ دراز سے وہاں مقیم تھی۔ وہ لیاری کراچی کے رہنے والے تھے۔

اس لئے ان کی فیملی سے بھی ہمارے اچھے تعلقات قائم ہوئے اور آنا جانا ہوا۔ عبدالرحمن کی تنخواہ ہمارے بینک میں جمع ہوتی تھی اور وہ ہر ماہ کی پہلی کو آ کر اپنی تنخواہ نکالتے تھے۔ ان کے ساتھ اکثر اوقات Long drive پر بھی نکلتے تھے۔ وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے اور امارات میں بہت عرصہ رہنے کی وجہ سے وہاں کا زیادہ تجربہ تھا اس لئے ان کے ساتھ بیٹھ کر ہمیشہ کچھ نہ کچھ سیکھنے کو ملتا تھا۔

بینک کی سروس میں پبلک ڈیلنگ سے جہاں عربوں سے اچھے تعلقات استوار ہو رہے تھے وہیں گورمنٹس کے مختلف ڈپارٹمنٹ کے افسران سے دوستی بھی بڑھ رہی تھی۔ زیادہ تر وہاں کے وطنی جو لون ڈپارٹمنٹ میں میرے پاس آتے تھے اور تمام کاغذی کاروائی کے بعد انہیں قرضہ با آسانی مل جاتا تھا اس وجہ سے بھی وہ مجھے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان سے عربی گپ شپ بھی رہتی تھی اور ان کی نشاندہی پر میں اپنی عربی تلفظ کو درست کرتا تھا۔

پردیس میں عزیزوں اور رشتہ داروں سے دوری یہاں رہنے والے اجنبیوں کے لئے خاص طور پر گھریلو خواتین کے لئے اس وقت بہت بڑا مسئلہ بن جاتا ہے جب وہ امید سے ہوتی ہیں۔ یہی کچھ میری بیگم کے ساتھ ہو رہا تھا اللہ تعالی نے ہمیں دوسرے بچہ کی نوید

سنائی تھی تو اس کے لئے چیک اپ کے مراحل میں میں انہیں میٹرنیٹی ہوم کورنش ہسپتال لے جاتا رہا اور گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ اسی دوران میں نے اپنی ماں کو بلانے کا فیصلہ کیا اور ان کے لئے ویزہ اپلائی کیا جو ایک ہفتہ کے اندر مجھے ملا۔ ماں کو لینے ہم ائرپورٹ گئے۔ پہلی بار میں کسی کو لینے ائرپورٹ گیا تھا۔ ائرپورٹ پہنچنے کے بعد مجھے یاد آیا کہ ائرپورٹ کسٹم ڈپارٹمنٹ کے ایک بڑے آفیسر کا اکاؤنٹ ہمارے بینک میں ہے۔ جنہوں نے مجھے ائرپورٹ میں کبھی بھی کسی کام کے سلسلہ میں اپنی مدد کی یقین دہانی کرائی تھی۔ میں نے فون ملایا اور ان سے بات ہوئی کہ میں اپنی امی کو لینے آیا ہوں اور اس وقت ائرپورٹ پر موجود ہوں۔ جس پر وہ باہر آئے اور ہمیں کسٹم ڈپارٹمنٹ میں اپنے آفس لے گئے اور چائے بسکٹ سے خاطر مدارت کی۔ اور مجھ سے اوریجنل ویزہ لے کر ایک اور کسٹم آفیسر کو دیا جو والدہ کو لینے ایمیگریشن ڈپارٹمنٹ گئے اور تقریباً 10 منٹ بعد وہ والدہ کے ساتھ نمودار ہوئے۔ ہمیں وہاں امی نے دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور مجھ سے اور میری بیگم سے گلے ملے اور عبدالحفیظ کو پیار کیا۔ تھوڑی دیر بعد ان کا بیگ آیا اور ہم کسٹم آفیسر کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

کہا جاتا ہے کہ سوچ بدلتا ہے تو انسان بدلتا ہے لیکن میرا یہ کہنا ہے انسان اپنی مثبت سوچ اور بہترین اقدار کے ساتھ ہی پہچانا جاتا ہے۔ اس کے کردار کی مضبوطی اسے ہمیشہ سرخ رو کرتا ہے۔ کانٹ چھانٹ کا عمل ساری زندگی لگا رہتا ہے۔ وسعت نظری اور بالیدگی ہی ایک کامیاب اور مثبت زندگی کی ضمانت ہے۔

ماں کے ابوظہبی آنے سے گھر میں رونق قائم ہوگئی تھی۔ معمول کی زندگی کے مطابق میں صبح بینک جاتا اور شام کو لوٹ آتا تھا۔ والدہ کے آنے سے مجھے کچھ راحت ملی

تھی۔ اب میری بیگم ان کے ساتھ گھر کے قریب کے پارکوں میں جا کر چہل قدمی کرتی تھی۔ اس طرح دن گزرتے رہے۔ اور وہ دن بھی آیا جب ہمارے گھر ایک بہت ہی پیارے بچے نے جنم لیا۔ عبدالمحسن کی پیدائش سے پورا گھرانہ جہاں خوش تھا وہیں بڑا بیٹا عبدالحفیظ بھی بہت خوش تھا کہ اسے اللہ تعالی نے بھائی کی نعمت سے نوازا۔

ابوظہبی میں رہ کر اللہ تعالی نے مجھے وہ عزم و ہمت اور خلوص کی نعمت عطا کی تھی جس کے ساتھ میں نے اپنی فیملی اور اپنی والدہ اور بھائیوں بہنوں کے لئے اپنی زندگی وقف کی ہوئی تھی۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر پلان آتے تھے ایک خوشحال خاندان جس میں میرے تمام بہن بھائی ہنسی خوشی سے رہیں۔ اس لئے ایک دن میں نے ہمت کر کے اپنے دوست عبدالرحمن سے ذکر کیا کہ میں اپنے بھائیوں کو یہاں بلانا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسے سروس ویزہ درکار ہیں جن میں کفیل انہیں NOC دینے میں کوئی مشکل نہ کرے۔

اس کا کریڈٹ میں اسی دوست کو دوں گا جس نے اس معاملہ میں میری بھرپور مدد کی۔ سب سے پہلے اپنے سے چھوٹے بھائی اختر اور برادر نسبتی شکیل کو بلایا۔ اختر اور شکیل الیکٹرک کے کام میں ماہر تھے۔ یہی سوچ کر میں نے انہیں بلایا تاکہ وہ اپنے لئے یہاں رہ کر کچھ کر سکیں۔

الحمدللہ انہیں ایک کنسٹرکشن کمپنی جو تعمیراتی کام کرتی تھی ان کے پاس الیکٹریشن لگایا تاکہ وہ اپنے شعبہ زندگی میں رہ کر آگے بڑھ سکیں۔ وہ صبح کام پر جاتے وقت اپنا ٹفن دوپہر کے کھانے کا گھر سے ساتھ لے جاتے تھے۔ اور شام کو میرے پاس ہی فلیٹ میں رہائش پزیر تھے۔

خود کو اخلاقیات کا پابند رکھنا بہت مشکل کام ہے لیکن یہ ناممکن نہیں ہے۔ یقین

کریں ان دونوں اشخاص کے یہاں آنے سے ان کو اپنے کراچی میں رہتے ہوئے بے روزگاری کے ایام میں غلط ماحول اور منفی رویوں سے چھٹکارا ملا اور انہیں ذہنی سکون نصیب ہوا۔

حسد، نفرت، غصہ، انتقام، جھوٹ، دھوکہ، غیبت، چغلی، تجسس، بدگمانی، بدزبانی، یہ وہ منفی صفات ھیں جو انسان کی ذہنی صحت کے لئے کینسر کی طرح ہیں۔ اسلئے اصلاح ذات سے بڑھ کر کوئی عمل ایسا نہیں جو آپ کو ایک خوشگوار زندگی کی طرف لے جائے۔

ایک دھچکا

والدہ دو ماہ ہمارے پاس تھیں اس دوران ہم نے انہیں پورے امارات کی سیر کرائی اور قریبی عزیز جو امارات کے تمام اسٹیٹ میں تھے ان کے پاس گئے۔ جہاں انہوں نے ہمیں اپنے درمیان پا کر اچھی پزیرائی کی اور آئندہ پھر سے آنے کا وعدہ لے کر چھوڑا۔ تقریباً ہر جمعہ کے دن پوری فیملی کے ساتھ یہ سیر وسیاحت کا سلسلہ جاری رکھا۔

کراچی سے آئے ہوئے ایک سال ہو گیا تھا اسلئے میری بیوی نے کراچی جانے کے لئے اصرار کیا۔ میں نے ایک ماہ کی سالانہ چھٹی کی درخواست بینک میں جمع کرادی۔ چھٹی کی منظوری کے بعد میں اپنی والدہ اور بیوی بچوں کے ساتھ کراچی کے لئے روانہ ہوا۔ روانگی سے پہلے بھائیوں کو نصیحتیں اور ہدایتیں ماں نے بھی کئیں اور میں نے بھی یہاں کے قوانین کی پاسداری اور کسی کے معاملات میں نہ الجھنے کا مشورہ دیا۔

کراچی میں اس بار ہمارا اچھا استقبال ہوا۔ ماں ساتھ تھی اس لئے بہن بھائی سب کو سٹر لے کر کراچی ائرپورٹ آئے اور ہم خیر وعافیت سے اپنی رہائش گاہ پہنچے۔ کراچی جہاں کی آب وہوا کراچی والوں کے لئے معتدل اور بہترین ہے وہیں پردیس سے آنے والوں کے لئے کبھی کبھار یہ آب وہوا تکلیف دہ ہو جاتی ہے۔ میری فیملی کے ساتھ اس بار یہی کچھ ہوا دونوں بیٹے بیمار پڑ گئے۔ بڑے بیٹے عبدالحفیظ کی الحمدللہ صحت کچھ بہتر ہوئی۔ لیکن نومولود ڈائریا میں مبتلا ہوا اور ابھی ہمیں کراچی آئے صرف سات دن ہی ہوئے تھے کہ اس کا انتقال ہوا۔ میں عبدالمحسن کی اچانک وفات پر بہت غمزدہ ہوا اور خوب رویا۔ لوگوں نے اس بات کو نوٹ کیا اور کہا کہ تم اپنے والد کی وفات پر اتنا نہیں روئے۔ تب مجھے

باپ کی محبت کا احساس ہوا کہ ماں باپ اپنے بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے اور بچے کی خوشی اور غم سے اسکو گہری انسیت سی رہتی ہے۔

زندگی انسان کو دو ادوار میں بانٹ دیتی ہے یہ دونوں دکھ اور سکھ کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک دکھ کی کوکھ سے کامیابی جنم لیتی ہے۔ مگر ایسا بھی ہرگز نہیں کہ سکھ کی کوکھ سے ناکامی کا ہی نزول ہو۔ زندگی کو چاہنے والے اور خود سے پیار کرنے والے انسانیت سے بھی بے انتہا پیار کرتے ہیں۔ موت کو زندگی کی اٹل حقیقت تسلیم کیا گیا ہے۔ زندگی اور موت کو دو جڑواں بہنیں تصور کیا جاتا ہے۔ اور اس بات میں دو رائے نہیں ہوسکتی کہ زندگی سسکی سے شروع ہوکر ہچکی پر ختم ہوجانے والا ایک مختصر ترین عمل ہے۔ ہمیں اللہ کی رضا اور خوشنودی پر ہمیشہ ان کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ میرے ننھے منے بیٹے کی وفات پر جو دلی صدمہ مجھے اور میری فیملی کو پہنچا اسے صبر اور برداشت کے جذبہ اور اللہ کی رضا سمجھ کر قبول کیا شاید اس میں بھی اللہ تعالی نے کوئی راز پنہاں کیا ہو۔

نئے کلائنٹس نئی مہم

ایک ماہ کی مختصر چھٹی کے بعد میں اپنی فیملی کے ہمراہ ابوظبی کے لئے روانہ ہوا۔ ہم گلف ائیر کی فلائٹ سے جمعرات کے دن ابوظبی پہنچے جمعہ کا دن گھر کے لئے سودا سلف لانے اور آرام کرنے میں گزرا۔ ابوظبی اور پورے امارات میں گرمی کے موسم میں بہت زیادہ گرمی پڑتی ہے۔ لیکن یہاں بجلی کی روانی میں کبھی کوئی خلل نہیں دیکھا۔ اگر کسی بلڈنگ کی بجلی سروس کے لئے بند کرنی ہوتی ہے تو الیکٹرک ڈپارٹمنٹ 24 گھنٹہ پہلے آکر نوٹس لگاتا ہے اور چوکیدار سے کہتا ہے وہ تمام فلیٹ والوں کو جاکر اس بارے میں بتائیں۔ یہاں سب گھروں اور کاروباری اداروں اور آفیسز میں گرمی سے بچاؤ کے لئے ائرکنڈیشنڈ لگے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے گھروں اور آفیسز میں رہنے والے گرمی کی شدت سے محفوظ رہتے ہیں۔ باہر نکلنے کی صورت میں کار میں ائرکنڈیشنڈ کی موجودگی پریشان کن سفر سے بچاتی ہے۔

دوسرے دن بینک جاکر اپنی سروس جوائن کی۔ منیجر نے مجھے کہا تمہاری کمی سب نے محسوس کی۔ عربی لوگ ہماری کنٹرول سے باہر ہوتے تھے۔ جیسے تیسے کرکے ان کو اچھی سروس دیتے تھے لیکن آپ نے ان کو کیا جادو کیا تھا کہ وہ پھر بھی تمہاری تعریف کے نغمے گاتے اور کہتے تھے آسکانی کی سروس آپ کبھی دے نہ پاؤ گے۔

منطقہ مدینہ زاید کے Compensation (معاوضہ) کے بعد گورنمنٹ ابوظبی نے منطقہ الذاب Al-Zaab Area کے لئے پلان کا اعلان کیا اور وہاں پر رہائش پزیر لوگوں کے ناموں کی لسٹ ابوظبی میونسپلٹی نے جاری کی۔ جنہیں 1986 اکتوبر

میں معاوضہ ملنے کا اعلان ہوا۔

بینک میں آنے کے پہلے دن پہلے سے زیر التوا لون کی کئی فائلیں میری منتظر تھیں جس سے کام کا بوجھ اور بڑھ گیا۔لیکن میں نے صبر، برداشت اور اللہ تعالی کی رہنمائی کے ساتھ اپنے کام کو شروع کیا۔

اس بار منیجر کو اپنے ساتھ اس معاوضہ مہم میں ساتھ ساتھ رکھنے کا خیال میرے ذہن میں آیا۔ پرانی مہم کی ٹیم کے ہم دونوں افراد نے بیٹھ کر یہ متفقہ فیصلہ کیا اور منیجر کو اپنی آراء سے آگاہ کیا کہ اس بار آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں ایک دو سے تین بھلے اور آپ یہاں کے لوگوں کے رہن سہن اور ثقافت کے رنگ کو بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ ان کی مہمان نوازی کو بھی دیکھیں گے اور ہم کس طرح منت سماجت کر کے ان کو آمادہ کرتے ہیں وہ سب آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔

اس بار سب سے پہلے ہم نے پلاننگ کچھ بدل دی اور اپنے ان اکاؤنٹ ہولڈر کی ایک لسٹ بنائی جو منطقہ الذاب کے رہنے والے تھے اور جو ہمارے پاس Regular آتے رہتے تھے۔

پاکستان سے ہر سال بینک کی طرف سے اہم کلائینٹ کے لئے ڈائریاں اور وال کلاک آتے رہتے ہیں۔اس بار بھی یہ آئٹم آئے ہوئے تھے۔منیجر کی قیادت میں ہماری تین رکنی ٹیم نے یہ فیصلہ کیا کیوں ناں پہلے سے موجود اپنے ان کلائنٹ کو ان تحفہ تحائف کے ساتھ خوش کر کے انہیں اس مہم میں بھرپور شامل کیا جائے تا کہ ان کے تعاون سے کچھ اکاؤنٹ کھلیں اور وہ اپنے طور پر کوشش جاری رکھیں۔اس مہم کو شروع کئے ہوئے ہمیں ایک ماہ کا عرصہ گزرا۔ ہماری سخت محنت اور منطقہ الذاب کے ہمارے کلائنٹس کے تعاون سے

12 نئے اکاؤنٹ کھلے جن کے اتھارٹی لیٹرز کورٹ سے جا کر بنوا لئے جو بینک کے فیور میں تھے۔ یہ سلسلہ الحمدللہ خوش اسلوبی سے جاری تھا۔ساتھ ساتھ بینک میں بھی پورا دن محنت و مشقت رہتی تھی۔ان عربیوں کو سمجھنا اور سمجھانا ان کو وقت پر سروس دینا یہ سب سے بڑے گھمبیر مسائل تھے۔اس کے علاوہ لون ڈپارٹمنٹ کے کام کو بھی دیکھنا اور ریکوری بھی کرنا یہ ایسے کام تھے جو اللہ کی مدد کے بغیر ممکن نہیں تھے۔اللہ تعالی سے ہمیشہ اپنی سرخروئی اور عزت اور آبرو کے لئے دعا مانگتا تھا۔کیونکہ جواب تک عزت ملی اور عزم ہمت ہے وہ سب اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے۔

اس مہم میں چونکہ دیگر درجن بھر اور بینکس بھی میدان میں موجود تھیں اس لئے اس مہم کو آسان نہیں لیا کیونکہ ابوظبی میں موجود وطنی اور غیر وطنی تمام بینک اس منطقہ میں مہم جوئی کر رہے تھے۔کبھی کبھار ہم ان کے کلائنٹس کے پاس بیٹھ کر فروٹ، قہوہ، چائے نوش کر رہے ہوتے تو اور یہ وہاں پہنچ جاتے تھے۔اور اس وقت ان کے چہروں پر حیرت اور تشویش کے آثار دیکھ کر بڑا لطف آتا تھا۔وہ منہ لٹکا کر بیٹھ جاتے اور یہ سمجھتے شاید ہم نے ان کے کلائنٹ کو گھیر لیا ہے۔ایسی صورتحال میں ہم ان کو تسلی دے کر دوست بناتے اور کہتے تھے کہ ہم تو وقت گزارنے اور قہوہ پینے کے لئے یہاں آ کر بیٹھتے ہیں۔آپ فکر مت کریں چیک آپ کو مبارک ہو۔

اس مہم کے دوران تین ماہ میں ٹوٹل منطقہ الذاب کے 30 اکاؤنٹ ملے۔جن میں سے ہمارے اپنے پرانے 11 کلائنٹس بھی شامل تھے۔اس بار ہم نے کوشش کی ان میں سے زیادہ تر 22 کلائینٹس کے اتھارٹی لیٹرز کورٹ میں جا کر بنا کر لائیں تا کہ چیک ہم با آسانی جا کر ابوظبی میونسپلٹی سے حاصل کر سکیں۔

بلآخر وہ دن آیا جو ہمارے لئے عید کے دن کی طرح تھا ہم خوشی خوشی میونسپلٹی کے معاوضہ ڈپارٹمنٹ گئے۔ جہاں تمام بینکوں کے نمائندے موجود تھے۔ ہم نے اتھارٹی لیٹر وہاں جمع کرائے اور انہوں نے فرداً فرداً ہر بینک کے نمائندے کو بلایا اور دستخط لے کر ان کلائنٹس کے چیک دیے۔

جن کے اتھارٹی لیٹر نہیں تھے ان کو ہم نے فون کر کے بلایا اور بعض کے لئے گاڑی بھجوائی تا کہ کوئی اور گھیر نہ لے۔ اس طرح 30 چیک ہمیں آسانی سے ملے جن کی مالیت تقریباً 85 ملین درہم تھی۔ ان معاوضات کی رقم آنے سے برانچ کی ڈپازٹ پوزیشن بہت مضبوط ہوئی۔

باب۔۱۵

بچپن کی ایک کہانی

دوستو ہر انسان کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ ترقی کرے، ایک کامیاب انسان بنے اور زندگی کے شب و روز کو ہنسی خوشی سے گزارے۔ لیکن کامیاب زندگی گزارنے اور دنیا والوں کے لئے ایک مثال بننے کے لئے محنت، ایمانداری، اپنے شعبہ میں مہارت، اور جدوجہد کے ساتھ ساتھ ان مشکل مرحلوں میں اللہ تعالی کی رضا شامل ہونا بہت ضروری ہے۔

لیکن بدقسمتی سے ہمارے معاشرہ میں ہر دوسرا انسان کامیابی کے لئے شارٹ کٹ کی تلاش میں رہتا ہے۔ کوشش ہوتی ہے کہ وہ بغیر کچھ کئے راتوں رات کامیاب انسان بن جائے۔ ایسی کامیابیاں وقتی کامیابی ہوتی ہیں۔

ہر کامیاب انسان کی زندگی کا اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو ہمیں پتا لگے گا کہ کسی بھی کامیاب انسان نے کبھی شارٹ کٹ کامیابی حاصل نہیں کی۔

اس موقع پر مجھے اپنے بچپن میں سنی ایک کہانی یاد آرہی ہے سوچا وہ آپ لوگوں کو سنادوں۔ ایک دن ایک پروفیسر صاحب سے جوتا پالش کرنے والے بچے نے پالش کرتے کرتے پوچھا۔ ''ماسٹر صاحب! کیا میں بھی بڑا آدمی بن سکتا ہوں''۔ پروفیسر نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔'' دنیا کا ہر شخص بڑا آدمی بن سکتا ہے۔'' بچے نے پروفیسر کا جواب سن کر اگلا سوال داغ ڈالا۔ کیسے؟؟؟؟ پروفیسر نے اپنے بیگ سے چاک نکالی اور بچے کے لکڑی کے صندوق پر دائیں سے بائیں تین لکیریں لگائیں۔ پہلی لکیر پر محنت، محنت اور محنت لکھا۔ دوسری لکیر پر ایمانداری، ایمانداری اور ایمانداری لکھا۔ اور تیسری لکیر پر صرف ایک لفظ ہنر

(Skill) لکھا۔ بچہ پروفیسر کو چپ چاپ دیکھتا رہا۔ پروفیسر یہ لکھنے کے بعد بچے کی طرف مڑا اور بولا: ترقی کے تین زینہ ہوتے ہیں۔ پہلا زینہ محنت ہے، اگر آپ صبح سے لے کر سورج غروب ہونے تک دل لگا کر محنت کروگے تو سمجھ لو آپ ٪30 کامیاب انسان ہو۔ اور دوسری لکیر ایمانداری کی ہے یہ ترقی کی جانب جانے کا دوسرا زینہ ہے اگر آپ اس زینہ پر لڑکڑا گئے آپ کے ایمان میں لالچ بھر گیا تو اس زینہ سے گر جاؤ گے۔ اگر زینہ کامیابی سے عبور کیا تو آپ محنت اور ایمانداری کی وجہ سے ٪60 کامیاب انسان ہو۔ تیسرا اور آخری زینہ ہنر ہے اگر تمہارے پاس ہنر ہے تو تم کبھی بھی زندگی کے سفر میں پیچھے نہیں رہو گے۔ اسی لئے زندگی میں بڑا آدمی بننے کے لئے محنت، محنت، اور سخت محنت کی ضرورت کے ساتھ ساتھ ایمانداری، ایمانداری اور ایمان کی مضبوطی درکار ہوتی ہے۔ تیسرا زینہ ہنر کا ہے یہ بے تاج بادشاہ ہے۔ محنت، ایمانداری کے ساتھ اگر کسی کے پاس ہنر ہو تو وہ ٪100 ناقابل شکست انسان بن جاتا ہے۔

میرا یہ سب کچھ تحریر کرنے سے مراد یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی بھی محنت سے منہ نہیں موڑا اور ہمیشہ ایمانداری سے اپنا کام سرانجام دیا اور ہر وقت یہ کوشش کی کہ اپنے شعبہ زندگی (بینکنگ) میں مہارت حاصل کروں۔ الحمدللہ! اللہ کی عطاؤں کا شکر گزار ہمیشہ رہتا تھا اور والدہ کی دعاؤں کے طفیل ترقی کے زینے طے کر رہا تھا۔

اس بار ہمارے برانچ کو بہترین کارکردگی کی بنیاد پر زونل ہیڈ کی جانب سے گولڈ میڈل کا ایوارڈ ملا اور ہمیں ایک اعلی ہوٹل میں بینک کی طرف سے ضیافت دی گئی۔ جس میں تمام برانچوں کے منیجرز اور اسٹاف نے شرکت کی جنہوں نے معاوضہ مہم میں حصہ لیا۔ اس موقع پر زونل ہیڈ نے ان تمام آفیسران کو تحائف اور اسناد پیش کئے۔

ابوظہبی میں رہ کر اکثر دنیا بھر کے تمام اقوام کے افراد سے بھی ملاقات اور بات چیت سیمیناروں اور ضیافتوں میں ہوتی رہتی تھی اور ان ممالک کے بارے میں معلومات حاصل کرتے تھے اس طرح ہمارے علم میں اضافہ ہو رہا تھا۔ اور ہم اپنے ملک کی ثقافت، قدیم ورثہ اور تاریخ کے بارے میں انہیں بتاتے تھے اس طرح ایک دوسرے کو سمجھنے اور تعلقات بنانے کے ایسے نادر مواقع ملتے تھے۔

منطقہ الزاب Al-Zaab Area کے معاوضہ کی تقسیم کے بعد ان نئے اکاؤنٹس کی دیکھ بھال اور کلائینٹس کو اچھی سروس دے کر سنبھالنا ایک بہت بڑا کام تھا۔ اس لئے پھر سے نئی ذمہ داریوں اور اپنے نارمل کاموں کی طرف نئے عزم و ہمت کے ساتھ قدم بڑھایا۔

خدمت کا جذبہ

میں نے یہاں ابوظبی میں رہ کر جہاں اپنی چھوٹی فیملی کے لئے آسودہ زندگی کے سامان فراہم کیئے وہیں ہر ماہ ایک بھاری رقم والدہ کو بھی بھیجتا رہتا تھا تا کہ وہ میرے بہن بھائیوں کے ساتھ اچھی زندگی گزارے۔ میں نے اپنے بھائی اختر اور برادر نسبتی شکیل کو پہلے ہی یہاں ابوظبی بلا کر کام پر لگا دیا تھا۔ اختر اور شکیل دونوں کی شادی ہو چکی تھی اس لئے وہ اپنی تنخواہ کا زیادہ حصہ اپنی فیملی کے لئے کراچی بھیجتے تھے۔

ایک دن میرے دوست عبدالرحمن نے بتایا دو ویزہ ہیں اگر چاہیے تو بتانا۔ میں نے ان سے دونوں ویزہ کے لئے ڈیل کی اور اپنے دوسرے بھائی طارق علی اور خالہ زاد بھائی امجد علی کو ان ویزوں پر بلا یا اور یہ تمام کام آسانی کے ساتھ ہو گئے تب مجھے یہ یقین ہو چلا تھا کہ اللہ تعالی میری دعاؤں اور مثبت عمل سے خوش ہے۔ اور میرے دل کی مرادیں پوری کر رہا ہے۔

ان دونوں کے آنے سے جہاں سب خوش تھے وہیں مجھے ان کے روزگار کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ مجھے ابوظبی کی سخت گرمی کا پتا تھا کہ یہ اس گرمی میں کام نہیں کر پائیں گے۔ وزارۃ اشغال Public Works Department گورنمنٹ ابوظبی کا اہم ترقیاتی ادارہ تھا۔ وہاں ایک شعبہ کے سربراہ سے میری اچھی خاصی دوستی تھی جن کی تنخواہ ہمارے بینک میں جمع ہوتی تھی۔ میں نے ان کو فون کیا اور ان سے ملنے کے لئے وقت مانگا۔ انہوں نے کہا آفس کا کام ہے تو آفس آئیں اگر اپنا پرائیویٹ کام ہے تو شام کو میرے گھر آئیں۔

شام کو وقت نکال کر ان کی رہائش گاہ جو منطقہ البطین میں تھا وہاں جا کر ان سے ملاقات کی اور باتوں ہی باتوں میں اپنا مدعا بیان کیا۔ انہوں نے کہا آفس میں چھوٹے موٹے کام کے لئے ہمیشہ ضرورت رہتی ہے۔ میں کوشش کروں گا انہیں اپنے ماتحت کسی ڈپارٹمنٹ میں لگا دوں۔ ان سے تسلی بخش جواب سننے کے بعد میری جان میں جان آئی اور شام کا کھانا ان کے ساتھ کھایا اور ان کا شکریہ ادا کر کے گھر لوٹا۔

تقریبا 10 دن کے بعد ان کی طرف سے فون آیا کہ کل ان دونوں کو میرے آفس لے آنا ان کے کام کا بندوبست کر لیا ہے۔ میں انہیں ان کے پاسپورٹ اور NOC سمیت دوسرے دن وزارۃ اشغال لے گیا۔ بڑی خندہ پیشانی سے ملے مجھے اپنے آفس میں بٹھایا اور ان دونوں کو بمع پاسپورٹ اور NOC پیپر کے اپنے ڈپارٹمنٹ کے ایک آفیسر کے حوالہ کیا اور ان کو اسی دن سے پکی نوکری پر لگا دیا۔ میں کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا چائے پی اور جانے کی اجازت مانگی۔

بینک یا کسی بھی ادارہ میں اگر خلوص کے ساتھ پبلک ڈیلنگ کی جائے تو اس کے نتائج بہت اچھے نکلتے ہیں اور معزز شخصیات سے اچھے تعلقات استوار ہونے کے مواقع ملتے ہیں جو وقت پر کام آتے ہیں۔

جہاں میری پبلک ڈیلنگ سے کلائنٹس خوش تھے وہیں پورا برانچ مطمئن تھا کہ پبلک ڈیلنگ کی ساری ذمہ داری احسن طریقہ سے میں پوری کر رہا تھا۔ ہر سال اچھی کارکردگی کی بنیاد پر میری انکریمنٹ سب سے زیادہ ہوتی تھی اور ٹریننگ یا سیمینار کے لئے بینک سے آفیسرز منتخب ہوتے تھے تو میرا نام سرفہرست ہوتا تھا جو میرے لِے حوصلہ افزا بات ہوتی تھی اور کام کی تھکن کا احساس ان چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے کم ہو جاتا تھا۔

فیملی کے ساتھ عید کی خوشیاں

ابوظبی شہر میں مجھے آئے ہوئے 9 سال ہو چکے تھے اس مدت میں موٹر سائیکل لائسنس میں نے لی ہوئی تھی لیکن کبھی کار ڈرائیونگ لائسنس کے بارے میں نہیں سوچا تھا دراصل مجھے بینک کی کار بمع ڈرائیور مل جاتی تھی۔ ڈرائیور لال خان مظفر آباد آزاد کشمیر کے رہنے والے تھے اور ایک مخلص اور ذمہ دار ڈرائیور تھے۔ وہ اکثر چھٹیوں کے ایام میں مجھے فیملی کے ساتھ اندرون ابوظبی یا باہر کسی اسٹیٹ یا شہر جانا ہوتا بلاجھجک لے جاتے تھے۔ اور میں بھی ان کا خیال رکھتا تھا اسلئے وہ مجھ سے خوش رہتے تھے۔ عید کی چھٹیوں پر ہم نے العین سٹی جانے کا پروگرام بنایا۔

العین شہر (Al Ain City) جسے ہریالی کی وجہ سے باغوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے یہ ابوظہبی کا دوسرا اور متحدہ عرب امارات کا چوتھا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ دارالحکومت ابو ظہبی کے مشرق میں تقریباً 160 کلومیٹر اور دبئی کے جنوب میں 120 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ العین شہر میں داخل ہوتے ہی پہاڑ نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس پہاڑی سلسلہ نے شہر کو چار چاند لگا دیا ہے۔ جبل حفیت العین شہر کا سب سے بڑا پہاڑ ہے۔ پہاڑ کی اونچائی 4300 فٹ ہے۔ جس کے اوپر بہت ہی خوبصورت پکنک پوائینٹس اور فائیو سٹار ہوٹل سیاحوں کی توجہ کا مرکز ہیں۔ العین شہر میں پانی کے قدرتی چشمے ہیں جن کے آس پاس کھجوروں کے درخت اور باغات ہیں۔ سبزہ بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے العین کا موسم تمام دوسرے شہروں کی نسبت بہت عمدہ ہے۔ یہاں کے مقامی عربی باشندے با اخلاق اور مہذب ہیں۔ دیگر ممالک کے لوگ یہاں کافی تعداد میں برسر روزگار ہیں۔ جن میں پاکستانی

بنگلا دیشی ہندوستانی افغانی ایرانی مصری شامی نیپالی وغیرہ شامل ہیں۔ العین شہر میں بہت سے تاریخی قلعے اور قدیم عمارتیں موجود ہیں۔ ملک کا سب سے بڑا چڑیا گھر العین میں ہے ۔ وادی ایڈونچر اور مبزرہ خضرا بہت ہی زبردست پکنک پوائینٹس ہیں جہاں ملک بھر سے لوگ سیر و تفریح کی غرض سے آتے ہیں۔

اس شہر کی سب سے اہم بات یہاں امارات کی سب سے بڑی تعلیمی درسگاہ ''العین یونیورسٹی'' قائم ہے جہاں اندرون ملک اور بیرونی ممالک سے طلباء و طالبات اعلی تعلیم کے لئے آتے ہیں۔ اس یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ نہیان بن مبارک تھے۔" یہ وہ شیخ ہیں جن کے ویزہ پر پہلی بار میں پاکستان سے ابوظبی آیا تھا۔" العین یونیورسٹی میں قیام و طعام کے لئے یہاں ایک عالیشان اور تمام آسائشوں سے آراستہ ہوسٹل کا بندوبست بھی کیا گیا ہے۔ نئے طرز تعمیر سے بنی ایک خوبصورت جامع مسجد بھی یونیورسٹی کے احاطہ میں بنی ہوئی ہے۔

اکثر عید کی چھٹیوں میں فیملی کے ساتھ امارات کے تمام اسٹیٹس اور شہروں کو دیکھنے نکلتے تھے۔ چھٹیوں میں لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اپنے یہ دن سیر و سیاحت میں گزاریں۔ اسلئے ایسے موقعوں پر ٹریفک کی روانی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور بڑی تعداد میں لوگ سیر و سیاحت کی غرض سے اپنی چھٹیاں گزارنے دوسرے شہروں میں جاتے ہیں۔

اس بار میں نے عید کی چھٹیاں اپنی فیملی کے ساتھ العین میں گزاری۔ وہاں ہم قریبی عزیزوں کے گھر ٹھہرے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا انہوں نے ہمیں العین شہر کے تاریخی مقامات، جبل عفیت پہاڑ، چڑیا گھر اور کئی مقامات کی سیر کرائی۔ العین پہاڑی اور ریگستانی علاقہ ہے اور کبھی یہ ایک گرم ترین شہر ہوتا تھا۔ لیکن مرحوم شیخ زاید بن محمد آل نہیان کی مدبرانہ

قیادت میں انہوں نے اس شہر کو ایک سرسبز و شاداب شہر بنا دیا تھا۔ یہاں ہر جانب درخت اور سبزہ زار کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ دیکھا جس کی وجہ سے موسم زیادہ گرم نہیں رہتا۔

عید گزار کر واپس آئے اور ایک دن آرام کیا۔ اس دن میرے برادر نسبتی شکیل نے ہمیں بتایا کہ وہ کراچی الیکٹرک کی سروس پر تھا۔ کمپنی نے کچھ لوگوں کو نوکری سے بغیر نوٹس نکالا تھا جن میں وہ بھی شامل تھا۔ یونین نے کیس کیا ہوا تھا۔

جس کا فیصلہ کل کارکنوں کے حق میں آیا ہے۔ اس طرح شکیل نے واپس کراچی جا کر اپنی پرانی سروس جوائن کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ ایک اچھی خبر تھی۔ ہماری رضامندی سے وہ کراچی روانہ ہوا۔ اس کے جانے کے بعد میرے بھائی اختر کا بھی دل نہیں لگا اور وہ بجھا بجھا سا نظر آیا۔ میں نے وجہ دریافت کی۔ تو اس نے کہا مجھے اپنے بچے یاد آ رہے ہیں میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ میں نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ بضد رہا اس لئے اس کا ویزہ کینسل کر کے اسے واپس بھجوایا۔ یہ ایسے موڑ تھے جو میری زندگی میں پہلی بار آئے البتہ نئے تجربات سے آشنائی ہوئی۔

باب۔۱۸

ترقی یافتہ روشن خیال ملک

ابوظہبی کا موسم بہت اچھا لگا ہر موسم اپنے حسین رنگ کے ساتھ آتا اور خوشبو بکھیر کر چلا جاتا۔ وہ بہار ہو یا خزاں کے پت جھڑ کا موسم سخت گرم ہواؤں سے جسم کو جھلستا گرمی ہو یا سرد موسم جو دلوں کو ٹھنڈی ٹھنڈی مہک پہنچاتا ہو۔ ان تمام موسموں میں بارش ہوتی تھی جس کے دوران ہم اکثر ساحل سمندر کورنش کا رخ کرتے تھے۔ جہاں بارش کی بوندیں اور سمندر کی لہروں کی سرسراہٹ دھنوں کا ایک بہترین سنگم پیش کرتا تھا۔ اردگرد کا ماحول، بلڈنگیں، شارعیں بھیگی بھیگی سی لگتی تھیں لیکن حیرانگی کی بات یہ تھی کہ شارعوں سے گزرتے بارش کے پانی کا کہیں اتا پتا نہیں چلتا تھا۔

یہی ایک ترقی یافتہ اور روشن خیال ملک کی زندہ اور تابندہ مثالیں ہیں۔ تمام ترقی کے پیچھے ایک اچھی قیادت مرحوم شیخ زاید بن محمد آل نہیاں کی صورت میں انہیں میسر تھا جنہوں نے تمام ریاستوں کو اکھٹا کر کے ایک متحدہ عرب امارات کا سنگ بنیاد رکھا۔ ہر ریاست نے اپنے بنیادی ڈھانچہ کی اچھے ماہرین اور انجینئر کی مدد سے شارعوں کی تعمیر سے پہلے نکاسی آب اور پانی کے لائنوں اور انڈر گراؤنڈ الیکٹرک کے نظام کو منظم طریقہ سے پائیدار بنایا اور تعمیر اس طرح ہوئی کہ تمام گٹروں کے مین ہولز شارع کے کنارے بغیر ڈھکن کی جالیوں سے آسانی اور روانی سے پانی کا اخراج ہوتا ہے۔

بینک میں سروس کے دوران پبلک ڈیلنگ کے ساتھ ساتھ ہر ڈپارٹمنٹ کا بنیادی تجربہ رکھنا کچھ غیر معمولی چیزیں ہوتی ہیں۔ لون ڈپارٹمنٹ میں ایک نئے آفیسر کے آنے کے بعد میرا ٹرانسفر اکاؤنٹس ڈپارٹمنٹ میں کیا گیا جہاں سب ڈپارٹمنٹس کے کاموں

کے اختتام پر ہی میرا کام شروع ہوتا تھا۔ البتہ کبھی کبھار اسٹیٹمنٹس بنانے کے لئے بینکنگ آورز میں بھی جت جاتا تھا اور اسٹیٹمنٹس بنا کر دے دیتا تھا۔ ویکلی، ماہانہ، کوارٹرلی، ششماہی اور سالانہ اسٹیٹمنٹس بنانے میں مجھے مدد دینے کے لئے کلریکل اسٹاف آتے تھے۔

زندگی کی اس دوڑ میں ایک ٹیم کا رکن بن کر اچھے ماحول میں جینے سے مضبوطی کا جو احساس ہوا تھا وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اسی لئے قائداعظم محمد علی جناح کے فرمان اتحاد، تنظیم، یقین محکم کی روشنی پر ہمیں عمل پیرا رہنے کی اشد ضرورت ہے۔

چھوٹے بھائی طارق علی اور خالہ زاد بھائی امجد علی جو انٹر پاس تھے اور کراچی میں اچھے ماحول سے پہلے ہی گزر کر آئے تھے۔ وہ اپنا کام دل لگی سے کر رہے تھے اور وزارۃ اشغال میں اپنے کام سے انصاف کرتا ہوا نظر آ رہے تھے۔ بھائی اختر اور شکیل بھائی کے جانے سے جو خلاء پیدا ہوا تھا اس کو پورا کرنے کے لئے میں نے پھر سے اپنے دوست عبدالرحمن سے درخواست کی کہ وہ دو ویزہ کے لئے کوشش کرے۔ اس نے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ کام ہو جائے گا آپ پاسپورٹ کی کاپیاں منگوا لو۔ میں نے اپنے بھائی عبدالناصر اور برادر نسبتی محمد اقبال کو بلانے کا ارادہ کیا۔ جلد ہی عبدالرحمن نے آ کر خوشخبری دی اور اپنا کیا ہوا وعدہ کچھ ہی دنوں میں پورا کر دیا۔ ویزہ ملنے کے بعد میں نے دونوں حضرات کو بلایا تا کہ وہ یہاں رہ کر کام کر کے اپنے والدین کے لئے کچھ کر سکیں۔

باب۔۱۹

عمرہ کی سعادت

''عمرہ کی سعادت'' ابوظہبی سے سعودی عرب عمرہ اور حج کے سفر کے لئے جانے پر اقامہ رکھنے والی خواتین وحضرات کے لئے بہت آسانی تھی۔ ویزہ سعودی سفارت خانہ سے با آسانی مل جایا کرتا تھا۔ یہ ایسی سعادت ہے جس کے لئے اللہ تعالی انسان کو خود جانے کی توفیق دیتا ہے۔ ورنہ وہاں ایسے لوگ بھی دیکھے جو اپنی جوانی کام کاج میں گزارنے کے بعد بزرگی کی دہلیز پر تھے لیکن انہیں اللہ کی طرف سے خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے بلاوا کبھی بھی نہیں آیا۔

ماہ رمضان 1988 میں چھٹی لی۔ بچے اکیلے کراچی روانہ ہوئے کیونکہ مجھے خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کی زیارت اور عمرہ کی ادائیگی کے لئے رمضان شریف کے آخری عشرے میں مکہ مکرمہ جانا تھا۔ ابوظہبی سے جدہ انٹرنیشنل ائرپورٹ کا سفر تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کا تھا۔

پرانے زمانہ میں جدہ بندرگاہ حج اور عمرہ کے لئے مسافت کا اہم راستہ ہوتا تھا۔ تمام اسلامی اور عربی ممالک سے لوگ بحری جہاز کے ذریعہ سمندر کے راستہ جدہ آتے تھے۔ بحیرہ احمر پر واقع یہ مشہور سعودی بندرگاہ دنیا کے بہترین تجارتی اور مرکزی راستوں میں سے ایک ہے۔ عربی زبان میں جدہ کے معنی ''دادی'' کے ہیں۔ بہت سے مسلمان اس عقیدہ کے حامل ہیں کہ بنی نوح انسان کی ماں اماں حوا کا جاہ مدفن یہی مقام ہے۔ جدہ ائرپورٹ پر اترنے کے بعد کار میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں زیارت کا مقام ملتا ہے۔ ہم جس کار میں سفر کر رہے تھے اس کار کا ڈرائیور یمنی تھا۔ اس پرائیویٹ

ٹیکسی ڈرائیور نے بتایا وہ عرصہ 15 سال سے سعودی عرب میں مقیم ہے جب وہ یہاں آیا تھا اس وقت اس کی عمر 22 سال تھی۔ وہ سعودی عرب کے ہر علاقے چھوٹے بڑے شہروں قصبوں، گاؤں اور دیہاتوں سے واقف تھا۔ دوران سفر جتنے مقامات راستے میں آئے وہ ہمیں سب کے بارے میں بتاتا رہا۔

اماں حوا کی قبر کے بارے میں اس نے اسی مقام کی نشاندہی کی۔ بتایا کہ 1928 تک اس قبر کا نشان موجود تھا۔ جسے حجاز کے اس وقت کے گورنر شہزادہ فیصل کے حکم سے مٹا کر زمین کے ساتھ ہموار کر دیا گیا۔

کئی گھنٹہ سفر کے بعد ہم اپنے منزل مقصود یعنی مکہ مکرمہ پہنچے۔ ہوٹل کے کمرہ کی کھڑکی سے مسجد حرام کا صحن دکھائی دے رہا تھا۔ کھانا کھانے اور تازہ دم ہونے کے بعد عمرہ کی ادائیگی کے لئے خانہ کعبہ کی طرف چل دیا۔ حرم کے کئی باب (دروازہ) ہیں۔ ایک باب سے داخل ہوئے اور حرم کی فن تعمیر کو دیکھ کر اسلامی طرز تعمیر کو داد دینے کو دل چاہا۔ خانہ کعبہ کی جانب کشادہ راستہ سے جاتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں سے خانہ کعبہ ہمیں صاف نظر آ رہا تھا۔ خانہ کعبہ کو دیکھ کر یکلخت آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے اور ہاتھ دعا کے لئے اٹھے۔

خانہ کعبہ یا بیت اللہ مسجد حرام کے وسط میں واقع ایک عمارت ہے۔ جو مسلمانوں کا قبلہ ہے جس طرف رک کر کے عبادت کی جاتی ہے۔ یہ دین اللہ کا مقدس ترین مقام ہے جہاں عمرہ اور حج کے فرائض ادا کئے جاتے ہیں۔ میں یہاں پہلی بار آیا تھا اس لئے میرے ساتھ ابوظبئی سے کچھ دوست ایسے بھی ساتھ تھے جو کئی بار یہاں آئے اور عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ ان کے ساتھ طواف خانہ کعبہ اور تمام فرائض اور نفل ادا کئے اور عشاء کی نماز اور تراویح باجماعت وہیں ادا کی۔

ہم 7 دن مکہ مکرمہ میں رہے زیادہ وقت مسجد حرم اور خانہ کعبہ کے سامنے عبادات میں گزارا۔ ساتھ ساتھ ان مقامات کی زیارت بھی کی جو تاریخی عوامل کی ہیں۔ ٹیکسی کرایہ پر لی جس نے ہمیں تقریباً دو گھنٹہ میں تمام اہم مقامات کی زیارت کرائی۔ جن میں وادی منیٰ۔ میدان عرفات۔ مزدلفہ۔ وادی محسر۔ جمرات۔ مولد نبی۔ غار ثور۔ غار حرا۔ جنت المعلی۔ اور کئی مقامات شامل تھے۔

رمضان شریف کی 27 ویں شب خانہ کعبہ میں گزرا اور دوسرے دن ہم مدینہ شریف کی طرف روانہ ہوئے۔ اس مقدس شہر یثرب کا موسم مکہ مکرمہ سے سرد تر لگا اور یہاں کے رہنے والے بہت سرد مزاج اور خوش اخلاق لگے۔ ہوٹل پہنچے اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد ظہر کی نماز پڑھنے مسجد نبوی پہنچے۔ مسجد نبوی کے اندر ایک جانب روضہ رسول اور اصحابہ کرام کے روضہ مقدس تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد نوافل پڑھے اور روضہ رسول کی زیارت کرتے ہوئے اس کے عقب میں واقع باب سے باہر کی جانب نکلے۔ جنت البقیع کی زیارت اور دعا کے لئے اس قبرستان کے قریب رکے اور وہاں مدفعین کے لئے دعا رحمت کی۔ مدینہ منورہ میں ایک قلبی سکون اور راحت سا محسوس کیا اور نماز کے اوقات میں مسجد نبوی اور روضہ رسول کی زیارت اور نوافل ادا کرتے گزرتی تھی۔ بقایا وقت ہوٹل میں آرام کرتے اور عشاء کی نماز اور تراویح کے بعد مدینہ کے بازار میں شاپنگ کرتے گزارتے۔ رمضان شریف کے آخری ایام میں یہاں کے بازار بھی پر رونق اور عوام کی جم غفیر سے بھرے بھرے لگے۔ عیدالفطر سے ایک دن پہلے مدینہ شریف کے ان تاریخی مقامات کی زیارت کی جس میں مسجد قباء اور مسجد قبلتین شامل ہیں۔ جہاں نوافل ادا کئے۔

جبل احد کا پہاڑ دیکھ کر یہ خیال آیا کہ اس پہاڑ نے ہمارے پیارے رسول صلی

اللہ وعلیہ وسلم اور صحابہ اکرام اجمعین کی زیارت کی ہوئی ہے۔ان کے مبارک قدموں کے نشان اس پر موجود ہیں۔آج بھی یہ پہاڑ جاہ وجلال واستقامت کے ساتھ کھڑا ہے۔ چند فاصلہ پر جبل رما (تیراندازوں کا پہاڑ) واقع ہے۔ بر رومہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کنواں) دیکھا۔غرضیکہ تمام تاریخی مقامات کی سیر وزیارت کی۔ دوسرے دن عید الفطر کی نماز صبح سویرے ادا کی۔عید کے دوسرے دن بلآخر شہر نبوی کو الوداع کہنے کا وقت آیا۔مسجد نبوی میں نماز فجر پڑھی اور روضہ رسول کی زیارت کے بعد ہوٹل آکر ناشتہ کیا اور رخت سفر باندھا اور شہر مدینہ سے روانہ ہوئے۔میقات پہنچے اور وضو تازہ کر کے احرام باندھے اور عمرہ کی نیت کی۔تلبیہ کا ورد کرتے مکہ مکرمہ کی طرف گامزن ہوئے۔

سفر طویل تھا مکہ مکرمہ پہنچے تو تھکن سے چور تھے کچھ دیر آرام کرنے اور دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد عمرہ کی ادائیگی کے لئے مسجد حرام کی طرف چل پڑے۔عمرہ ادا کیا اور تمام فرائض اور نوافل کی ادائیگی کے بعد نماز ظہر با جماعت پڑھی۔عصر کے وقت جدہ ائرپورٹ جانا تھا۔فلائٹ سے دو گھنٹہ پہلے ہم ائرپورٹ پہنچے۔کسٹم اور ایمیگریشن میں بہت رش کی وجہ سے شاید دو گھنٹہ پہلے بلایا تھا۔بلآخر ہم ان تمام مرحلوں سے فارغ ہو کر بورڈنگ کارڈ لے کر جہاز میں سوار ہوئے۔ اور دو گھنٹہ کے سفر کے بعد ابوظبی کے انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچے۔

باب۔۲۰

اسلامی بینکاری

میری چھٹیاں 20 دن کی تھیں اس لئے وہاں سے آنے کے بعد کچھ دن بھائیوں کے ساتھ العین کی سیر کر کے گزارا۔ جمعہ کی چھٹی گزار کر پھر سے اپنی بینکنگ کے معمولات زندگی میں مصروف ہو گیا۔زندگی کا حسن مشکلات ہیں جو ان پر قابو پالیتا ہے وہ اپنی زندگی کو بامعنی اور بامقصد بنالیتا ہے۔

بلاشبہ قرآن وسنت اور اسلامی تعلیمات صنعت وتجارت، معیشیت اور سائنس و ٹیکنالوجی سمیت تمام شعبہ ہائے زندگی کا احاطہ کرتی ہیں۔مغربی دنیا نہ صرف ان اصولوں کی افادیت کا اعتراف کرتی ہے بلکہ انہیں بڑی تیزی سے اپنا بھی رہی ہے۔جس کی ایک چھوٹی مثال اسلامی بینکاری نظام ہے۔

امارات میں دبئی اسلامی بینک کے کھلنے سے جہاں بینکنگ کے شعبہ میں بلاسود بینکاری کے رجحان نے زور پکڑا وہیں دوسرے بینکوں پر اس کے اثرات پڑنے اور لوگ اپنا سرمایہ وہاں سے ٹرانسفر کرنے لگے یقیناً یہ بینکنگ کہ شعبہ میں ایک بڑی انقلابی تبدیلی تھی۔لیکن انٹرنیشنل اور نیشنل بینکوں نے اپنے پروپیگنڈہ کی پالیسی سے اس تبدیلی پر جلد ہی قابو پایا۔لیکن ایک بات واضع ہو گئی کہ آئندہ اسلامی بینکاری کا نظام ہی یہاں آہستہ آہستہ رائج ہو گا۔جو ہم نے آگے چل کر دیکھا کئی ملکی اور غیر ملکی بینکوں نے اس نظام کو اپنایا۔

ایشیاء میں ہانگ کانگ اور سنگاپور دونوں ممالک سب سے پرکشش اسلامی فنانس مارکیٹ کی شکل اختیار کرتے جا رہے تھے۔اس وقت برطانیہ کی کئی یونیورسٹیوں میں بھی اسلامی بینکنگ سے متعلق ماسٹر ڈگری کے پروگرام شروع کئے گئے تھے تا کہ اس نظام

کو مستحکم کیا جائے اور لوگ یورپی بینکوں سے اپنی دولت نہ نکالیں۔ چنانچہ وہ سرمایہ کو اپنے بینکوں میں محفوظ رکھنے کے لئے اسلامی بینکنگ کے نظام کو فروغ دے رہے تھے۔

اگر ہم آج دیکھیں اسلامی فنانس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اس نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ اسلام ایک پرسکون اور مساوات پر مبنی دین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اسلامی بینکنگ نظام صرف مسلمانوں تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ اس میں موجود اسلامی مالیات اور بینکنگ کی مشترکہ اقدار نے اسے غیر مسلموں کے لئے بھی قابل قبول بنا دیا ہے۔اس دوڑ میں ہمارے بینک بہت عرصہ کے بعد (میرے بینک چھوڑنے کے بعد) شامل ہوئے لیکن دیر آئید درست آئید میں اسے کہوں گا۔

اس بار میرے بیٹے عبدالحفیظ کی گرمیوں میں اسکول کی چھٹیاں کراچی میں گزار کر فیملی لوٹ چکی تھی۔ اسکول گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد کھل گئے تھے۔ صبح بینک جانے سے پہلے بیٹے کو اسکول چھوڑنا اور دوپہر کو لانا بھی معمولات زندگی میں شامل تھا۔ عبدالحفیظ کے لئے شام کے اوقات میں ٹیوشن کا بھی انتظام کیا تھا۔ کراچی سے تعلق رکھنے والے ایک اردو اسپیکنگ ڈبل ایم اے معلم آکر انہیں تعلیم و تربیت دیتے تھے۔

چھوٹے بھائی عبدالناصر اور برادر نسبتی اقبال کو کراچی سے آئے کئی ماہ ہو گئے تھے لیکن کوئی مناسب سروس نہیں مل رہی تھی۔ زیادہ تر دھوپ میں کام کے مواقع تو مل رہے تھے لیکن ابوظہبی کی گرمی میں بلڈنگز کنسٹرکشن کا کام ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لئے وہ فی الحال بے روزگار تھے۔ اور وہ زیادہ وقت کورنش میں گشت لگا کر تفریح اور مچھلی کا شکار کر کے گزارتے تھے۔

ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ اپنوں کے لئے کچھ کروں یہ مالی مدد ہو یا اخلاقی میں کبھی بھی

کسی کی مدد سے پیچھے نہیں ہٹا۔ والدہ کے لئے ان کے گھر کی توسیع و تعمیر کے لئے پیش پیش رہا۔ تاکہ ایک فرمانبردار بیٹے کا فرض نباتا رہوں۔

انسان اپنی گفتگو اور تحریر میں اپنے خیالات اور جذبات کو الفاظ کے ذریعہ ہی بیان کرتا ہے۔ ہر انسان کے پاس اچھے اور برے الفاظ کا زخیرہ ہوتا ہے۔ اب یہ اس انسان پر منحصر ہے کہ اسے کونسے الفاظ کب کہاں اور کیسے استعمال کرنے چاہیے۔ بولنا اچھا بھی اور برا بھی ہوتا ہے۔ سلیقے سے کی ہوئی گفتگو آپ کی زندگی میں آسانیاں پیدا کرتی ہے۔ بے ڈھب انداز سے بولے گئے جملے آپ کے لئے نت نئی پریشانیاں لے کر آتے ہیں۔ اخلاق سے گفتگو کرنے میں کوئی خرچہ نہیں آتا۔ اچھے اور برے الفاظ کی وجہ سے ہی انسان بلندیوں تک پہنچتا ہے یا منہ کے بل گر جاتا ہے۔

میرا یہ ترقی کا سفر ترازو کے دونوں پلڑوں یعنی اچھائی اور برائی کے محور کے گرد گھومنے والا سفر تھا۔ میں نے لوگوں کے کہے ہوئے برے الفاظوں کو مسکرا کر برداشت کیا اور آگے کی طرف اپنی منزل کی جانب گامزن رہا۔ اور لگتا ہے کہ اللہ تعالی نے میری اس ادا کو بہت پسند کیا اور مجھے پسندیدہ مخلوق میں شمار کر کے الحمدللہ خوب نوازا۔ جس کا میں جتنا بھی شکر کروں وہ کم ہے۔

حکومت ابوظہبی کی طرف سے اپنے عوام کو اچھی رہائش اور رہن سہن کے لئے معاوضہ دینے اور جگہ الاٹ کرنے کا عمل جاری و ساری تھا اس بار منطقہ المشرف میں رہنے والے وطنیوں کے ناموں کی لسٹ ابوظہبی میونسپلٹی نے جاری کی تھی۔ اس لسٹ کے جاری ہونے سے Outdoor کام کا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس لئے محنت اور تندہی سے اس مہم میں مینیجر اور ایک ساتھی آفیسر کے ہمراہ منطقہ المشرف میں مصروف رہا۔ وہاں پہلے ہی ہمارے

کچھ اکاؤنٹ ہولڈرز تھے جن کے تعاون اور سچی لگن سے ہم اس منطقہ کے کئی لوگوں کے اکاؤنٹس کھولنے میں کامیاب ہوئے۔

اس مہم میں 25 مواطنین اکاؤنٹ ہولڈر سے متعلق کورٹ جا کر اتھارٹی لیٹرز بینک کے فیور میں حاصل کئے۔ اتھارٹی لیٹر کے ذریعہ بینک کے نمائیندہ کو چیکس تقسیم کرنے کے دن بڑی آسانی رہتی تھی۔

اللہ تعالی کے فضل وکرم سے اس بار بھی ہماری برانچ ٹاپ پر رہی اور 110 ملیون ڈپازٹ معاوضہ اکاؤنٹ میں منطقہ المشرف کے کلائنٹس کی وجہ سے آئے۔ یہ ایک اچھی پیش رفت تھی۔ اس بار بھی ایک بڑی ضیافت کا اہتمام زونل ہیڈ نے ایک 5 اسٹار ہوٹل میں رکھا جہاں ہماری برانچ کو گولڈ مڈل اور ہمیں تحائف اور اسناد پیش کئے۔

ایک ساتھ دو خوشی

قصر مبارک والے کزن کی فیملی کے ابوظبی آنے سے میں گھر کی پریشانیوں سے کچھ آزاد ہو گیا تھا۔ ان کی بیگم اپنی اور وقت ضرورت میری بیگم کو اسپتال لانے لے جانے اور ڈلیوری کے مراحل سے پہلے چیک اپ کرانے میں بڑی مددگار ثابت ہوئی۔ دونوں میاں بیوی ہفتہ میں ایک دو بار ضرور ہمارے ہاں آتے اور اپنے ساتھ شاہی دسترخوان کے اچھے اچھے کھانے اور سویٹ ڈشیز بھی لاتے تھے۔

کورنش اسپتال ایک سیمی گورنمنٹ اسپتال تھا جو خواتین کے فری علاج معالجہ اور میٹرنیٹی ہوم کے لئے مختص کیا گیا تھا۔ یہاں کا تقریباً پورا اسٹاف (ڈاکٹرز، نرسز اور مددگار) یورپی ممالک سے آئے ہوئے تھے۔ بہترین علاج معالجہ کے لئے پورے خلیج میں یہ اسپتال مشہور تھا۔ لوگ قریبی ہمسایہ ممالک سے علاج کے لئے بھی یہاں آتے تھے۔ میرے بیٹے عبدالحسیب کی پیدائش اسی اسپتال میں ہوئی۔ عبدالمحسن کی وفات کے بعد خلش ہر وقت دل میں رہتی تھی۔ اللہ کی عنایت سے بیٹے عبدالحسیب کی صورت میں ہمیں پھر سے خوشی مل گئی۔ جس کا ہم ہمیشہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اپریل 1989 میں مجھے دوسری بڑی خوشی نصیب ہوئی۔ اس بار آفیسر گریڈ 2 کے لئے پروموشن کا میرا کیس کراچی میں زیر غور تھا جو کیس منظور ہو کر آئے ان میں میرا نام سرفہرست تھا۔ اس خوشی کو زونل ہیڈ نے ایک پروقار تقریب منعقد کر کے Celebrate کیا۔ انہوں نے مجھے پروموشن لیٹر دیا اور اس بڑی کامیابی پر مبارکباد دی۔

سال 1989 میرے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا سال رہا۔ بیک وقت بیٹے کی پیدائش اور بینک میں آفیسر گریڈ 2 میں ترقی یہ اللہ تعالی کی طرف سے انمول عنایتیں تھیں۔

ان خوشیوں میں میرے اپنے عزیز رشتہ دار اور بینک کے تمام ساتھی خوش تھے اک جشن کا سماں تھا۔

ہمارے بینک میں تقریباً تمام حکومتی اداروں کے بڑے بڑے آفیسرز کے اکاؤنٹس تھے جس میں ان کی تنخواہ ہر ماہ جمع ہوتی تھی اور وہ اپنی تنخواہ نکالنے شروع کے دنوں میں آتے تھے جب بینک میں بہت رش ہوتا تھا اور پاؤں رکھنے کی جگہ تک نہیں ہوتی تھی۔ ایسی موقعوں پر میں ان آفیسرز کو اسپیشل سروس دیتا تھا۔ انہیں منیجر کے کیبن میں بٹھا کر چائے پلاتا اور چیک کیش کرا کر جلدی فارغ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے ٹریفک لائسنس ڈپارٹمنٹ کے دو آفیسرز آئے ہوئے تھے ان سے اچھی بات چیت تھی۔ اس دوران منیجر نے ڈرائیور لعل خان کو بلایا۔ میں ان افسروں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھا۔ لعل خان ان کو دیکھ کر اور بھی لال ہو گیا۔ اور میری جانب آ کر کہا سر آپ ان کو اپنے ڈرائیونگ لائسنس بنانے کے لئے کیوں نہیں کہتے یہ دونوں صاحب اختیار ہیں کسی کو پاس یا فیل کرنے کے۔ لعل خان یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

ان میں سے ایک آفیسر عمیر یوسف نے جو دوہری شہریت عمانی اور امارات کا رکھتا تھا۔ میری طرف بڑی حیرت سے دیکھا اور کہا آسکانی آپ یہاں بہت عرصہ سے موجود ہو اپنا لائسنس کیوں نہیں بنوایا۔

میں نے کہا مجھے کہیں جانا ہوتا ہے تو بینک کی کار اور ڈرائیور موجود ہے اسلئے کبھی اس جانب خیال نہیں گیا۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ وقت یکساں نہیں رہتا یہ زندگی کی ضروریات ہیں۔ اس لئے میرا کہا مانو اپنے لائسنس کے لئے پیپر جمع کراؤ اور ریورس، پارکنگ اور جسر (Bridge) کے امتحان پاس کر لو اور کچھ ڈرائیونگ سیکھ لو باقی اللہ مالک ہے میں ہوں نا۔ عمیر کی ان باتوں میں وزن تھا۔ اس لئے میں نے رضامندی ظاہر کی۔

باب۔ ۲۲

ڈرائیونگ لائسنس

متحدہ عرب امارات میں ڈرائیونگ لائسنس کا حصول ایک بہت مشکل کام ہے۔ لوگ اس کو حاصل کرنے میں کئی کئی ٹیسٹ دیتے ہیں۔ فیل ہونے پر دل برداشتہ ہو کر اس کے حصول کو چھوڑ دیتے ہیں اور کئی عرصہ بعد پھر سے اس کوشش میں لگ جاتے ہیں اور بڑی مشکل سے پاس ہوتے ہیں۔ دراصل ابوظہبی امارات کے ڈرائیونگ لائسنس کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ یہ ڈرائیونگ لائسنس دنیا کے 50 ممالک میں چلتا ہے۔

بینک کی ذمہ داریوں سے کچھ وقت نکال کر میں نے ڈرائیونگ لائسنس ڈپارٹمنٹ میں تمام ضروری کاروائی کے کاغذات جمع کر دیئے اور جا کر عمیر یوسف کو یہ خبر دی۔ وہ خوشی خوشی ملے اور کہا انشاء اللہ آپ کامیاب ہوں گے۔ 10 دن بعد میرا ریورس، پارکنگ، اور جسر (Bridge) کا ٹیسٹ ہوا جسے میں نے کامیابی سے عبور کیا۔ روڈ ٹیسٹ کے لئے دو ماہ کا وقت دیا گیا جو مجھے زیادہ لگا۔ عمیر یوسف کو فون کیا اور سب روداد پارکنگ، جسر اور ریورس کی ان کو بتائی اور یہ بھی بتایا اب روڈ کے ٹیسٹ کے لئے دو ماہ کی تاریخ ملی ہے۔ اس نے کہا میں کل آ کر تم سے ملتا ہوں اور فون بند کیا۔ میں اس بارے میں پہلے سے علم رکھتا تھا کہ ان کے فون ٹیپ ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے مختصر بات کر کے فون بند کیا۔ دوسرے دن وہ آئے اور میرے ساتھ چائے پی اور ٹیسٹ پیپر مجھ سے لیا اور کل آنے کا کہہ کر چلے گئے۔

دوسرے دن آ کر انہوں نے پیپر واپس کیا جس میں ایک ماہ بعد ٹیسٹ کی تاریخ تھی۔ اور کہا ٹریننگ اسکول جا کر باقاعدہ سے ڈرائیونگ سیکھنا۔ میں نے ان کی باتوں پر

عمل کیا اور ڈرائیونگ کے بارے میں جو ابتدائی معلومات تھیں وہ سیکھیں اور اس ایک ماہ کے عرصہ میں ڈرائیونگ کے ساتھ ساتھ اس کے ٹیسٹ کے اہم نکات بھی سیکھے۔ پہلا ٹیسٹ اتفاق سے کسی اور آفیسر نے لیا اور ڈرائیونگ میں تین خامیاں نکالیں اور تین ماہ کا وقت دوسرے ٹیسٹ کے لئے دیا۔ میں جیسے ہی ٹیسٹ والی کار سے اترا اور جانے لگا پیچھے سے آواز آئی مڑ کر دیکھا تو عمیر یوسف دوسرے ٹیسٹ کار میں تھے۔ انہوں نے مجھ سے پیپر لیا اور روانہ ہوا۔ دوسرے دن وہ آئے اور ایک ہفتہ بعد کی تاریخ بتائی اور کہا تم ٹیسٹ کے دن آنا میں خود تمہاری فائل نکالوں گا اور اس بار کوشش کروں گا تمہاری فائل میرے پاس آئے اور میں ٹیسٹ لوں۔

ایک ہفتہ بعد میری فائل ان کو ہی ملی اور میں دیگر candidate کے ساتھ بس میں سوار ہوا۔ مجھ سمیت تقریباً 50 کے لگ بھگ لوگ تھے اور ٹیسٹنگ کار صرف تین تھیں اور ہر کار میں دو آفیسر تھے۔ ایک ڈرائیور سیٹ کے پاس اور دوسرا پچھلی سیٹ پر تھا۔

مجھے سب سے آخر میں بلایا گیا۔ میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی شیشہ درست کیا۔ اس وقت عمیر یوسف کے وہ الفاظ یاد آئے کہ آسکانی ایسا سمجھیں ہم دونوں آپ کے دوست ہیں اس لئے کار کو اچھی طرح چلائیں اور ھمارے انسٹرکشن کو follow کریں۔ میں نے بسم اللہ پڑھ کر کار اسٹارٹ کی وہ کئی شارعوں پر تقریباً 5 منٹ تک مجھ سے ڈرائیونگ کراتے رہے اور No Parking جگہ پر کھڑی کرنے کا کہتے تو میں انہیں روکتا اور قانون کی پاسداری کرتا رہا۔ آخر میں عمیر نے مجھے مبارکباد دی اور کہا اب بھی تمہاری ڈرائیونگ کچی ہے اسلیئے احتیاط سے کار چلانا اور فی الحال نائٹ ڈرائیونگ میں زیادہ احتیاط کرنا اور شیرینی کھانے میں بینک آؤں گا یہ کہہ کر وہ رخصت ہوئے۔

انسان کی پیدائش ہی اس کی زندگی کی ابتدا کر دیتی ہے۔ یہ زندگی ڈھلنے میں دیر

نہیں کرتی، یوں ڈھلتی ہے جیسے نلکے سے بہتا ہوا پانی بہہ کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس فانی دنیا میں ہر انسان چند روزہ زندگی کو خوبصورت بنا کر گزارنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اپنی کوشش میں کچھ لوگ اسے خوشگوار بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور کچھ یوں ہی گزارنے میں ختم ہو جاتے ہیں۔

دراصل اس مختصر سی زندگی کو کامیابی کے سانچے میں گزارنا ہی حقیقی زندگی گزارنے کا نام ہے۔ میری زندگی ان زندہ اصولوں سے عبارت ہے جو میرے والدین نے مجھے سکھائے اور پھر وقتاً فوقتاً بعد میں پیش آنے والے حالات سے بھی میں سیکھتا رہا ہوں۔ میں اسی جذبہ، لگن اور ہمت خداوندی کے ساتھ زندگی کے اس سفر کو جوانمردی سے طے کر رہا تھا۔ اس میں میری والدہ کی دعائیں اور میرا اپنے رب پر یقین کامل اور پختہ اعتماد تھا کہ جب بھی اللہ تعالی سے دعاؤں میں میں نے جو کچھ بھی مانگا وہ میں نے پایا۔

میں نے ڈرائیونگ لائسنس ملنے کی خوشی میں بینک میں ایک چھوٹی پارٹی رکھی اور گھر سے جھینگے کی بریانی، کڑائی گوشت کا سالن اور سویٹ ڈش بنوایا اور اس خوشی کو بہترین انداز میں celebrate کیا۔ لائسنس ملنے کے بعد بینک کے ساتھیوں کی رائے تھی کہ مجھے اپنی شخصیت Personality کے لحاظ سے کار لینی چاہیے۔ میں نے ہاں کی تو انہوں نے ٹیوٹا کریسیڈا Toyota Cressida کار کا انتخاب کیا۔ اس وقت استعمال شدہ کاروں کی قیمت اتنی مہنگی نہیں تھی اسلیئے بینک سے قرضہ لے کر گاڑی خریدی۔ کار خریدنے کے بعد میرا بیٹا عبدالحفیظ اکثر مجھے شام کو فون کر کے کہتا کہ ابا آپ اوپر گھر نہ آئیں ہم نیچے آئیں گے آپ ہمیں کورنش گھومانے لئے جائیں۔ اور یوں تقریباً ہفتہ میں تین یا چار بار کورنش یا قریبی پارکوں اور تفریحی مقامات کا چکر لگنے لگا۔

میں انہیں وہاں چھوڑ کر خود کار میں آرام سے سوجاتا تھا۔اس سے دن بھر کی تھکن بھی دور ہوجاتی تھی اور میں پھر سے fresh ہوجاتا تھا۔سیر سپاٹے کے بعد واپس آنے پر پھر وہ رات کے کھانے کی Kentucky Fried Chicken یا برگر کی فرمائش کرتے تھے۔

کار کے آنے سے گھر کی ڈیوٹیاں بھی بڑھ گئی تھیں جمعہ کی چھٹی کے دن شاپنگ کے لیئے شاپنگ مالوں کی طرف نکلتے تھے۔اور مہینہ میں ایک بار سلاٹر ہاؤس کی طرف جاتے وہاں بکرا زبح کرواتے اور وہیں چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنا کر بڑی سی بلیک تھیلی میں ڈال کر لے آتے تھے جو مہینہ بھر کافی ہوتا تھا۔مچھلی کی مارکیٹ کی طرف بھی جاتے جہاں پر پوری مچھلی تول کر دام لگاتے تھے مچھلیوں کو صاف کرنے کے لئے الگ ایک بڑی جگہ بنائی ہوئی تھی جہاں صاف کر کے گاہک کے چوائس کے مطابق بڑے یا چھوٹے پیس کاٹ کر دیتے تھے۔سبزی کی بھی ایک الگ سے ایک بڑی مارکیٹ تھی جہاں پر بہت سستی ترکاریاں مل جاتی تھیں ہم اکثر وہاں جا کر سبزیاں لیتے تھے۔کھانے پینے کی تمام اشیا شاپنگ مالوں میں بہت مہنگی ملتی تھیں۔

عوام کی فلاح و بہبود کا احساس ہمیشہ سے متحدہ عرب امارات کے صدر مرحوم شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کے دل میں رہتا تھا۔وہ ایک سچے اور ایماندار لیڈر تھے۔ان ہی کی قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے ابوظہبی حکومت نے عوام کو سستی اشیاء مہیا کرنے کے لیئے پورے شہر میں کئی کواپریٹیو سوسائٹیاں بنائی ہوئی تھی۔ جہاں اشیاء مناسب داموں میں دستیاب تھیں۔عوام کا جم غفیر وہاں سے اپنے مہینہ بھر کا راشن لے کر جاتے تھے۔

❁❁

شیخ زید بن سلطان النہان

متحدہ عرب الامارات کی خوبصورتی میں جہاں خوبصورت فن تعمیر سے بنی عمارتوں، کشادہ شارعوں اور سیاحت کے لئے ساحل سمندر کا عمل دخل ہے وہیں خوبصورت مساجد اور عجائب گھر بھی ہیں جہاں تاریخی ورثوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔اور جو عوام کے لئے کھول دیئے گئے ہیں تا کہ دنیا بھر سے لوگ آ کر ان کو دیکھ سکیں۔

جامع مسجد شیخ زاید بن سلطان آل نہیان، یہ مسجد متحدہ عرب امارات کے پہلے صدر شیخ زاید بن سلطان اَل نہیان کے حکم کی تکمیل ہے۔یہ متحدہ عرب امارات کی سب سے بڑی مسجد ہے۔ چاروں کونوں پر کھڑے چار مینار 351 فٹ اونچے ہیں اور اس کے 84 ماربل کے گنبد ہیں۔اس مسجد کے صحن کا رقبہ 180000 مربع فٹ ہے جس میں سنگ مرمر اور پچی کاری کا کام نہایت ہی خوبصورت انداز میں کیا گیا ہے۔اس مسجد میں 40 ہزار نمازی نماز ادا کر سکتے ھیں۔مرکزی ہال میں 7 ہزار نمازیوں کے لئے گنجائش موجود ہے۔ جبکہ اطراف میں دو چھوٹے ہال ہیں۔اور ہر ہال میں 1500 خواتین بھی نماز ادا کر سکتی ہیں۔ہال کے اوپری مرکزی گنبد کا قطر 106 فٹ ہے جو صحن سے 279 فٹ بلند ہے۔

شیخ زاید بن سلطان کا جسد خاکی بھی اسی مسجد کے احاطے میں دفن ہے۔دنیا کا سب سے بڑا قالین اسی مسجد میں بچھایا گیا ہے۔دنیا بھر سے آئے ہوئے زائرین یہاں آ کر اس مسجد کے فن تعمیر اور ماہرانہ کام کو سراہتے ہیں۔

بینکنگ شعبہ میں کام کرتے ہوئے وقت کے ساتھ ساتھ نئے نئے تجربات اور بینکنگ کے شعبہ میں نئی نئی تبدیلیوں سے متعلق ہمیشہ بین الاقوامی کانفرنس اور سیمینار میں

شریک ہوکر میں مستفیض ہوتا تھا۔ ہمارے بینک کے اسٹنٹ منیجر کے اچانک دوسری برانچ میں ٹرانسفر کی وجہ سے اسٹنٹ مینیجر کی یہ اضافی پوسٹ بھی مجھے دی گئی تا کہ سینئر ہونے کی وجہ سے بینک کو سپر وائز کر سکوں۔ ذمہ داریوں میں اضافہ کو ہمیشہ چیلنج سمجھ کر قبول کیا اور ان چیلینجز سے بہت کچھ سیکھا۔

کسی بھی ملک کی سماجی اور اقتصادی ترقی میں تعلیم بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ انسانی ترقی کے لئے سرمایہ کاری میں بھی اپنا کردار اور قوم کے مستقبل کے لئے بنیاد کا تعین کرتی ہے۔ حکومت ابوظبی تعلیم کے شعبے جات میں شراکت کی اہمیت سے بخوبی واقف تھی اور ان کی کوشش تھی کہ تعلیم کے شعبہ میں بینکنگ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے ایک مکمل مالیاتی طور پر معاون ایک نظام بنا سکے۔

تعلیم کے فروغ کے لئے بینکنگ کے تحت جو دو پہلے اقدامات کئے گئے ان میں نجی تعلیمی ادارے سے متعلق سرمایہ کاری اور طالب علموں سے متعلق سرمایہ کاری شامل تھیں۔

متحدہ عرب امارات میں نجی اور قومی بینکنگ کے لئے ایسے دوررس انقلابی تبدیلی سے نجی تعلیمی اداروں کے قیام میں بہت اضافہ ہوا اور بینکنگ کے شعبے میں اس کے فوائد بہت جلد نظر آنے لگے۔

یہ سہولیات تعلیمی اداروں کو ان کے مختلف شعبہ جات میں لین دین اور تعلیمی قابلیت و اہلیت سے متعلقہ ترقی اور طلبہ اور ان کے والدین کو مالی طور پر خود کفیل بنانے میں مدد کرتی تھیں۔ ان سہولتوں میں تعلیمی اداروں کے دفتری اسٹاف کی پیداواری صلاحیت بڑھانے، اسکول کی عمارت سے متعلق، اور نصابی ترقی اور فروغ کے لئے قرضہ جات آسان

قسطوں پر دینا بھی شامل تھے۔

طالب علم کی مالیاتی سہولت کے لئے قرضہ (انڈر گریجویٹ اور ماسٹر ڈگری) اور تکنیکی تعلیم کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ایک خاص قرضہ کی سہولت دی گئی۔ مالیاتی سہولیات ہر سمیسٹر اور تعلیمی سال کے حساب سے ٹیوشن اور دیگر تعلیمی اداروں کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے دستیاب تھیں۔ مختصر مدت کے لئے دیئے گئے قرضہ جات طلبہ کے والدین کی طرف سے با آسانی چکائے جا سکتے تھے۔

ایک ترقی یافتہ معاشرہ کی طرف گامزن متحدہ عرب امارات کی تمام ریاستیں ہمیشہ اس احسان کا سہرا اس عظیم ہستی مرحوم شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کے سر رکھتی ہیں جنہوں نے 1971 میں آزادی کے بعد کم عرصہ میں اپنی مدبرانہ اور خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ان ریاستوں کو ایک کامیاب رشتہ میں باندھنے کے ساتھ ساتھ ان کی ترقی میں ایک کلیدی کردار ادا کیا۔

اپنی ذمہ داریوں کا احساس

دنیا کی بیش بہا قیمتی نعمتیں پیسوں سے خریدی نہیں جاسکتی ہیں۔صحت، ذہانت، حسن، کردار، اعتماد، ساکھ، آداب، عزت واحترام، دوست، رشتہ دار، بچوں کا پیار اور ان کی فرمانبرداری، ذہن کا سکون، مطمئن ضمیر ایک طویل فہرست ہے جس کا پیسے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ زندگی کی ساری گہما گہمی صرف دولت تک محدود نہیں، یہ کم بھی ہو تو زندگی بڑی دلآویز اور خوبصورت ہوسکتی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ زندگی محبت کا حسن، انسان کا کل سرمایہ ہے یہ رشتہ بنتا ہے، دلوں کو جوڑتا ہے، انسان کو انسان کے قریب لاتا ہے۔ محبت ایک ایسی قوت ہے، جس کے بغیر معاشرے کا زندہ رہنا ناممکن ہے۔

یہ محبت کا لطیف احساس ہی تو ہے، جو ممتا جیسے عظیم جذبہ کو جنم دیتا ہے۔ باپ کو اپنی اولاد اور خاندان کے لئے جدوجہد کرنے کی تحریک دیتا ہے۔عورت اور مرد کی دھڑکنوں کو ہم آہنگ کرتا ہے۔ان ہی کی قوت خاندان کو یکجا رکھتی ہے۔

قدیم کلیہ ہے کہ جو محبت فراہم کرتا ہے، اسے جواب میں محبت ہی ملتی ہے۔مگر لوٹاتے سمے یہ دگنی ہو جاتی ہے۔مسرت، اخلاص، تہذیب، رواداری، سب محبت ہی کی دین ہے۔ اسی طرح مشکلات زندگی کا حسن ہیں جو ان پر قابو پالیتا ہے وہ زندگی کو بامعنی اور بامقصد بنالیتا ہے۔یقین رکھیں ہر صبح بخشنے والا آزمائش ضرور دیتا ہے لیکن ان آزمائشوں میں کبھی تنہا نہیں چھوڑتا آزمائش اللہ تعالی اپنے خاص بندوں کی تربیت کے لئے دیتا ہے۔

اللہ پاک کا فضل، محبت، رحم ہمیشہ میرے ساتھ رہا ہے۔اس کی جو خاص وجہ مجھے

نظر آئی وہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اپنوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور اللہ کے بندوں میں بانٹنا تھا۔ایسا کرنے سے زندگی کا حسن بڑھ جاتا ہے۔

صوفیا کا قول ہے کہ" دعا قضا کو بھی ٹال سکتی ہے" اس قول میں بڑی حکمت ہے ظاہر ہے ہر کوئی دعا نہیں مانگتا۔ مانگتا تو وہی ہے جو اسے مانتا ہے، جو اسے پہچانتا ہے اور انہیں اس بات کا شعور بھی ہوتا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے اور جو یہ جانتا ہو کہ مالک جانتا اور چاہتا کیا ہے۔

اسی کے بارے میں اقبال نے کہا ہے" خدا بندے سے خود پوچھے تیری رضا کیا ہے"۔زندگی کا بہترین استعمال یہ ہے کہ اسے کسی اہم مقصد کے لئے وقف کر دیا جائے۔ کسی ایسی شے کے لئے جو زندگی سے کئی گنا زیادہ طویل ہو اور وہ ہے ہمیشہ کسی کی مدد کرو جو آپ کی زندگی ختم ہونے کے بعد بھی آپ کے لئے ثواب کا باعث بنتا رہے گا۔

پردیس میں رہ کر جہاں مجھ پر اپنے کام کا وزن تو تھا وہیں اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ مرحوم والد صاحب نے جو مجھ پر ذمہ داری بہن بھائیوں کی صورت میں مجھے دی تھیں اور والدہ کی مجھ سے امیدیں تھیں ان کو نبانا بھی بڑا کھٹن کام تھا۔لیکن رب الجلیل نے میرے عزم و ہمت کو دیکھتے ہوئے میری راہوں کو ہمیشہ کشادہ کیا اور میں نے پردیس کی زندگی گزار کر دیس میں اپنے بہن بھائیوں کے لئے فلیٹس کی تعمیر کی یہ تعمیرات والدہ کے زیر استعمال مکان میں کیں۔اس کے ساتھ ساتھ بھائیوں اور دو بہنوں کی شادیاں کروائیں۔

اسی فلسفہ حیات کو لے کر میں چلا اور جب ممکن ہوا اپنے قریبی رشتہ داروں کو ابوظہبی بلایا تا کہ وہ معاشی طور پر بہتر زندگی گزار سکیں۔انہیں یہاں بلانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ یہاں رہ کر محنت کے ساتھ اپنی زندگی کو بہتر ڈگر میں ڈال سکیں۔الحمدللہ ان میں سے بھائی طارق علی اور خالہ زاد بھائی امجد علی کامیاب رہے۔

لیکن بھائی ناصر اور اقبال کو قسمت نے ساتھ نہیں دیا اور وہ دونوں ویزہ کینسل کر کے واپس پاکستان چلے گئے۔ یہ دونوں یہاں سے گئے لیکن یہاں رہ کر زندگی کا مشاہدہ کیا کہ زندگی افسانوی کہانیوں سے بھی زیادہ عجیب ہوتی ہے۔ یہ پہاڑوں کو پیس کر ذروں اور سمندروں کو خشک زمیں میں بدل دیتی ہے۔ زندگی بڑی عجیب وغریب پہیلی بھی ہے جو انسان کی آس وامید کو بالکل بدل دیتی ہے۔ ان دونوں کے جانے کا مجھے بھی دکھ ہوا لیکن اس بات سے مطمئن تھا کہ یہاں کی سختیوں سے تجربہ لے کر آگے کی جانب جا کر ان کی منزل آسان ہوگی۔ زندگی کو باکمال استاد بھی کہا جاتا ہے اگر اس کا دیا ہوا سبق کوئی وقت پر نہ سیکھے تو یہ وہی سبق غلط وقت پر سکھاتی ہے۔

زندگی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کو خوشیاں نہیں دیتی ان کو تجربہ سے ضرور نوازتی ہے۔ زندگی کبھی آسان نہیں ہوتی ہے اسے آسان بنانا پڑتا ہے کبھی کچھ برداشت کر کے اور کبھی کچھ نظر انداز کر کے۔ زندگی اور خربوزے میں ایک قدرے مشترک یہ ہے کہ پھیکی ہونے پر بھی دل اسے پھینکنے اور چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا ہے۔

میرے عزیزوں رشتہ داروں کی میرے بارے میں جو رائے ہوتی تھی وہ میرے لئے تقویت کا باعث بنتی تھی۔ وہ اکثر کہتے! اس بات میں کبھی دو رائے نہیں ہوسکتی کہ زندگی میں بعض رشتے ایسے ضرور ہوتے ہیں جو جگنو بن کر گھٹا ٹوپ اندھیرا دور کر دیتے ہیں۔

باب۔۲۵

ایک بار پھر عمرہ کی سعادت

اپنی سروس میں میں نے اپنی کارکردگی کی بنیاد پر جو مقبولیت حاصل کی تھی ہمیشہ اس کو برقرار رکھنے اور بینکنگ کے شعبے میں ترقی کی منزلیں طے کرنے کی چاہ دل میں روشن رکھی۔ بینک سروسز سے جہاں تمام کلائنٹس مجھ سے خوش تھے وہیں میرے منیجر اور تمام اسٹاف میرے کام کے اسٹائل سے مطمئن تھے۔ اس طرح زندگی کے دن خوشگوار انداز میں گزر رہے تھے۔ یہ جنوری 1991 کی بات ہے جب 3 بینک آفیسرز اور کلریکل اسٹاف نے بائی روڈ عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ جانے کا پروگرام بنایا۔ اور مجھے اس بات پر آمادہ کیا میں بھی ان کے ساتھ اس سفر میں شامل ہوجاؤں۔ اس سلسلہ میں ان کو میری کار بھی درکار تھی ان میں سے دو حضرات اچھی ڈرائیونگ بھی کرتے تھے میں نے بینک سے 15 دن کی چھٹی لی اور ہم مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔ بائی روڈ میرے لئے یہ پہلا بہت لمبا سفر تھا لیکن اچھے شریک سفر لوگوں کی وجہ سے سفر بہت خوشگوار لگ رہا تھا۔ ہم قطر کے راستہ سعودی عرب کی سرحد میں داخل ہوئے اور طویل سفر کے بعد دوسرے دن مکہ مکرمہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر عمرہ ادا کیا کچھ دیر خانہ کعبہ میں رہے اور ظہر کی نماز پڑھ کر واپس ہوٹل آئے۔ پہلی بار جب میں عمرہ ادا کرنے سعودی عرب گیا تھا اور اب کی بار جب عمرہ کرنے آیا تو مجھے کافی فرق محسوس ہوا۔

مکہ مکرمہ میں ترقیاتی کاموں کی تیز رفتاری اور نئے فن تعمیر سے مزین خوبصورت بلڈنگز اور کشادہ شارعوں کے جال کو دیکھ کر میں محو حیرت رہ گیا۔ خانہ کعبہ کے اطراف بوسیدہ

اور قدیم عمارات کو گرا کر ان کی جگہ بلند 5 اسٹار ہوٹل بنائے گئے تھے ان ہوٹلز کے نیچے شاپنگ مال اور لاتعداد دکانیں اور آفیسز بنے ہوئے تھے۔

اپنی گاڑی ساتھ ہونے کی وجہ سے ہمیں مقدس مقامات کی زیارت اور سیر و سیاحت میں بڑی آسانی ہو رہی تھی۔ اس لئے ہم جب تک وہاں رہے میقات جا کر پھر سے عمرہ کی نیت کرتے اور عمرہ ادا کرتے رہے اس طرح ہم نے 10 دنوں میں تین چار بار عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ اور کئی بار تاریخی مقامات کی زیارت کی۔

مکہ مکرمہ سے ہم اپنے سفر کے 11 ویں دن مدینہ پہنچے اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد مسجد نبوی کی طرف روانہ ہوئے جہاں نوافل ادا کئے اور ظہر کی باجماعت نماز ادا کی اور سنت و نوافل ادا کئے اور کچھ دیر وہاں بیٹھنے کے بعد ہم نے روضہ رسولؐ کی زیارت کی۔ وہاں سے نکلنے کے بعد مدینہ منورہ کی تاریخی مساجدوں میں جا کر نوافل ادا کئے۔ اور تاریخی مقامات کی زیارت کی۔ تین دن ہم مدینہ منورہ میں رہے اور کوشش کی زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کریں۔ سفر کے 14 ویں دن ہم فجر کی نماز ادا کرنے اور ناشتہ کرنے کے بعد واپس عمرہ کی نیت کر کے مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر عمرہ ادا کیا۔ اور سہ پہر کو واپسی کا سفر شروع کیا اور دوسرے دن شام کو ابوظہبی پہنچے۔

سعودی عرب سے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد گھر واپس پہنچنے پر گھر والوں کے ساتھ ساتھ میرے دونوں بیٹے بھی بڑی گرم جوشی سے مجھ سے ملے۔ میں نے انہیں کھجور کھلایا اور آب زم زم پلایا۔ ان کے لئے جو تحفہ اور تحائف مدینہ منورہ سے خریدے تھے انہیں دیئے۔

بچے ہمارے گھر کے آنگن میں مہکتے ہوئے پھولوں کی طرح ہوتے ہیں، جن

سے گھر میں رونق ہوتی ہے۔ یہ اللہ تعالی کی ایسی نعمت ہیں، جن کا کوئی نعم البدل نہیں۔

آج کے بچے پہلے زمانے کے بچوں سے بہت مختلف ہیں وہ اپنے اچھے برے ہر رویہ کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف بعض والدین اپنے بچوں کو صاحب عزت بنانے کے لئے سختی اور مار پیٹ کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ جبکہ وہ ان بچوں میں عزت نفس پیدا کرنے کے بجائے ان بچوں کی عزت نفس کو مار دیتے ہیں۔ اور جب یہی بچے جوں جوں بڑے ہو جاتے ہیں، تو انہیں باتیں سننے اور مار کھانے کی عادت پڑھ جاتی ہے اور پھر انہیں کوئی کچھ بھی کہتا رہے اس پر کسی کی بات کا اثر نہیں ہوتا، اور نہ ہی وہ اسے برا محسوس کرتے ہیں۔

اس لئے صاحب علم کہتے ہیں کہ والدین کو چاہیے کہ وہ نہ صرف اپنے بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں بلکہ ان کو خاص ہونے کا احساس بھی دلائیں اور ان کی اس طرح تربیت کریں کہ ان کے دل میں چھوٹے اور بڑے کا احساس جاگے۔ اپنی زندگی میں ایک صحتمند بچے کے لئے عزت نفس ایک ایسا ہتھیار ہے جو زندگی بھر اس کے لئے وہ دنیا کے تمام مسائل سے نمٹنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور وہ روشن خیال بچے زندگی کے ہر چیلنجز کا بہتر انداز میں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ کسی دانشور کا قول ہے کہ بچے کا ذہن ایک ایسی خوبصورت سلیٹ کی مانند ہے جس پر وہ چاہتا ہے دنیا کی سب رنگینیاں لکھ دی جائیں۔

میرے دوست عبدالرحمن سے میری دوستی پرانی ہو گئی تھی ان کی صحبت میں رہ کر جہاں مجھے وہ بہترین انسان دوست لگے اور وہ ہمیشہ میرے کام آئے وہ بھائیوں کے لئے ویزہ کا حصول ہو یا کسی مشکل مسئلہ کا حل وہ میرے ساتھ قدم بہ قدم ساتھ رہے۔ لیکن ان کی ایک عادت سے مجھے ہمیشہ فکر لاحق تھی۔ وہ مہہ نوشی کرتے تھے اور اکثر اوقات ان کے

ساتھ رہ کر وہ مجھے بھی "آب جو" بیئر پینے پر مجبور کرتے تھے۔ جہاں مجھ میں اچھی عادتیں حد سے زیادہ بھری ہوئی تھیں اس ایک عادت کی وجہ سے میں تفکر کا شکار رہتا تھا ان سے دوستی بھی بھائیوں جیسی تھی اس لئے انکار نہیں کر پاتا تھا لیکن میرا ذہن کبھی بھی اس بات پر مطمئن نہیں ہوتا تھا۔ میں نے کوشش یہ کی کہ ان سے آہستہ آہستہ دوری اختیار کروں اور زیادہ وقت بینک کے کاموں اور گھر بار پر اپنے آپ کو مصروف رکھوں۔

باب۔۲۶

بیٹی کی ولادت

1991 میں مجھے اللہ تعالی نے ایک اور خوشی دی میرے گھر بیٹی مریم کی ولادت ہوئی۔ اس خوشی سے گھر کی رونق میں اور اضافہ ہوا۔ یہ نام میں نے تجویز کیا اور اس کی منظوری اپنی والدہ سے لی جن کا نام بھی مریم ہے۔ انہوں نے خوشی خوشی اس بات کی اجازت دی۔

اللہ تعالی کی تمام عنایتوں کا پہلے ہی میں بہت شکر گزار اور ان کی بارگاہ میں ہر وقت سر بہ سجود رہتا تھا۔ مجھے بیٹی کی پیدائش سے جو دلی خوشی حاصل ہوئی وہ بیان نہیں کر سکتا۔

کہتے ہیں کہ بیٹا اللہ کی نعمت اور بیٹی رحمت ہوتی ہے۔ اس زندگی میں کسی کو صرف نعمت عطا ہوتی ہے اور کسی کو صرف رحمت سے نوازا جاتا ہے۔ لیکن کچھ خوش نصیب ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا دامن رب کریم کی طرف سے نعمت اور رحمت دونوں سے بھر دیا جاتا ہے۔

انسان کی تربیت کے طریقوں میں ایک قدرتی عمل جس کو فطرت کہتے ہیں، پیدائش کے ساتھ ہی آتا ہے، اور دوسرا نرچرنگ، پرورش، جس میں انسان معاشرے سے اور اردگرد کے ماحول سے سیکھتا ہے۔ اس پرورش میں معاشرہ زبان کا کردار ادا کرتا ہے کیونکہ معاشرہ کی ایک زبان ہوتی ہے۔ مطلب بولنا قدرتی فعل ہے اور کیا بولنا یہ معاشرتی فعل ہے۔ نرچرنگ وہ تربیت ہوتی ہے، جس میں بچہ اردگرد کے ماحول کو دیکھتا اور سنتا ہے اس کا مطلب یہ کہ معاشرہ بھی بچوں کی تربیت کرتا ہے۔

میری یہ خوش بختی تھی کہ اللہ تعالی نے مجھے اپنی نعمتوں بیٹوں اور رحمت بیٹی سے

نوازا ہے۔ پہلے سے دو بیٹے تھے اور بیٹی پھر مریم کی آمد ہمارے لئے اللہ کی طرف سے اک رحمت ہوئی۔

بینک کی سروس میں کچھ لمحات ایسے آتے ہیں کہ انسان بے بس سا ہو جاتا ہے۔ معاوضہ کے اکاؤنٹس جو وہاں رہنے والوں کے لئے Villa بنانے کی رقم تھی اور گورنمنٹ ابوظبی میونسپلٹی کی اجازت کے بغیر پیسہ نکالنے کی ممانعت تھی۔ ایسی صورت حال میں دوسرے بینکوں کی پالیسی تھوڑی نرم تھی وہ ان اکاؤنٹس کو چھوٹی موٹی رقم کبھی کبھار ان معاوضہ اکاؤنٹس کی وجہ سے دے دیتے تھے اس کا اثر یہ ہوا دو تین مواطنین نے اپنے ان معاوضہ اکاؤنٹس کو دوسرے بینکوں میں ٹرانسفر کرنے کے لئے لیٹر ابوظبی میونسپلٹی سے بنوا کر ہماری برانچ میں جمع کرا دیئے تھے اور مجبوراً ان اکاؤنٹس کے چیک بنا کر ہم نے ان بینکوں کو بھیج دیئے۔ لیکن ایسی صورتحال سے ہم نے زونل ہیڈ کو آگاہ کیا کہ اگر بینک اجازت دے تو ہم انہیں قرضہ اس معاوضہ کی رقم کے بلمقابل دے سکیں۔ اور اس قرضہ کی ایک limit رکھی جائے تاکہ معاوضہ جو گھر بنانے کے لئے دی جاتی ہے اس رقم پر اس کا اثر نہ ہو۔ اور ان قرضہ جات کے لئے ضمانت پر جو رقم لی گئی ہو اس کے جتنا رقم معاوضہ اکاؤنٹس میں بلاک کیا جائے جب تک وہ قرضہ ختم نہ ہو۔

زونل ہیڈ نے زونل آفس میں اپنے افسران سے مشاورت کے بعد اپنی صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ہمارا استجویز کی منظوری اور 100000 درہم تک ان معاوضہ والے اکاؤنٹس کو قرضہ دینے کی اجازت دی۔ اس سے یہ ہوا کہ وقتی طور پر جو جھٹکا لگا تھا اس کے تدارک کا کچھ ساماں ہوا۔

ہمیشہ زندگی کے دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر چلنا چاہیے اور ہر مشکل کے بعد

آسانی اور ہر آسانی کے بعد مشکل مرحلوں کے لئے انسان کو اپنی زندگی میں تیار رہنا چاہیے اور مشکلات جب آتے ہیں تو ان کا کوئی نہ کوئی حل بھی ہوتا ہے اس لئے گھبرانا نہیں چاہیے اور اس کا حل مثبت سوچ سے ہی ممکن ہے۔

میں اپنی زندگی کو جس طرح لے کر چلا ہوں وہ میرے لئے ایک Adventure سے کم نہیں تھا ان تمام حالات میں جس ہستی نے میری راہیں آسان کیں وہ اللہ رب جلیل ہیں۔ میں نے دکھ اور سکھ میں اپنے رب کی عنایتوں کا ہر حال میں شکر ادا کیا ہے۔ اس موقع پر میں اپنی اس عظیم ماں کی محبت اور دعاؤں کو ہمیشہ اس کامیابی کا ذریعہ تصور کرتا ہوں۔ جو میری ماں اللہ تعالی کے حضور میری زندگی، ترقی اور تندرستی کے لئے مانگتی تھیں اور آج تک وہ میری خوشی میرے بچوں کی خوشی کے لئے مانگتی رہتی ہیں۔ میں ان کا شکریہ الفاظ میں ادا نہیں کرسکتا میرے لبوں پر بس یہ دعا ہے اللہ تعالی انہیں لمبی عمر عطا کرے اور ان کا سایہ ہمیشہ ہمارے سر پر رہے۔

میری زندگی کا یہ سفرنامہ مجھ پر گزرے ان انمول دنوں کا ایک حسیں پس منظر بھی پیش کر رہا ہے جن لمحات کو میں نے مہم جوئی کر کے آسان بنایا، اور دیار غیر میں رہ کر مشکلات کو شکست دے کر جس آسودگی سے زندگی کے دن گزارے وہ میری آئندہ نسلوں کے لئے ایک بہترین آئینہ ہیں جسے سامنے رکھ کر وہ اپنے روشن مستقبل کی جانب کامیابی سے گامزن ہو سکتے ہیں۔

ان اسباق سے عبرت حاصل کرنا روشن ذہنوں کا خاصہ ہے جو تجربہ کاری اور بصیرت کی علامت ہوتی ہے، دوسروں سے سبق حاصل کرنے کا عمل انسان کو کامیابیوں سے ہمکنار کرتا ہے اور تباہی سے نجات دلاتا ہے، اس کی وجہ سے عبرت پکڑنے والا شخص مثبت

اقدامات کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ نیز اس سے انسان کو نیک اور باصلاحیت لوگوں کے راستہ پر چلنے کی رہنمائی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو سبق حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تو اس کو سمجھانا بھی سودمند ثابت نہیں ہوتا، آخرکار وہ تباہیوں سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

اس لئے گزرے واقعات اور حالات سے وہی لوگ عبرت اور سبق حاصل کرتے ہیں، جو نیک وصالح لوگوں کی راہ پر گامزن ہوں اور اپنی بہتری اور اصلاح چاہتے ہوں۔

مخلوقات کی فطرت سے سبق حاصل کرنا، ان کی صفات اور رنگ ڈھنگ سے نصیحت لینا، ان کی بے مثال تخلیق پر غور وفکر کرنا، ان تمام امور کا مقصد اور ہدف یہ ہے کہ اللہ تعالی کی وحدانیت کا اقرار مزید پختہ ہو۔ جبکہ ایسے لوگ جو عبرت حاصل نہ کریں، نصیحتیں نہ پکڑیں، محاسبہ نفس نہ کریں، اپنی آخرت سنوارنے کے لئے کوئی اقدامات نہ کریں، ان کی عقل قبیح کاموں اور گناہوں سے نہ روکے تو جانوروں اور انسانوں میں تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اپنے دوست عبدالرحمن سے دوری رکھی ہوئی تھی لیکن جب وہ بینک آتے تو ان سے گرم جوشی سے ملتا تھا تاکہ اسے احساس نہ ہو کہ میں ان سے دوری اختیار کر رہا ہوں اگر وہ باہر ملنے کا کہتے تو میں انہیں اپنے بینک کے کاموں کی زیادتی یا گھر بار کے کاموں میں مصروف رہنے کا بہانہ بنا کر ان کے ساتھ بارہا کلب جانے سے اجتناب کرتا، تاکہ مہہ نوشی کی عادت سے محفوظ رہ سکوں۔

❁❁

باب۔۲۸

جیل والی سیاست

میری والدہ بھائی نور محمد (نور آسکانی) کی وجہ سے اکثر فکرمند رہتی تھیں۔ تعلیم تو مکمل کر لی تھی لیکن مناسب روزگار سے ابھی تک محروم تھے۔ پھر ان کو سیاست سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ ان کے کچھ دوست سوشلسٹ اور مارکسٹ ذہن کے مالک تھے اور بائیں بازو کی طلبہ تنظیموں کے ساتھ منسلک تھے۔ کسی نے والدہ کو بتایا کہ نور ''جیل والی سیاست'' میں حصہ لے رہا ہے تو وہ تشویش میں مبتلا ہوئیں۔ ایسی صورتحال میں میں نے والدہ کے ساتھ مل کر پلان بنایا اور نور کو بھی ابوظبی بلانے کے بارے سوچ شروع کی۔

ایک بار پھر عبدالرحمن کی خدمات کی ضرورت پڑی اور اسے ہمیشہ کی طرح مددگار پایا۔ اس نے آکر بتایا دو ویزہ ہیں اگر آپ نور کے علاوہ اپنے کسی اور بھائی یا رشتہ دار کو بلانا چاہیں تو وہ ویزہ بھی لے لیں۔ میری دوسری خالہ کا بیٹا عرفان بے روزگار تھا اس لئے میں نے نور اور عرفان دونوں کے ویزہ کے لئے کاغذات جمع کرائے۔ چند دنوں کے بعد ویزا پروسیس مکمل ہوا اور وہ دونوں ابوظبی پہنچ گئے۔

اپنے بھائی نور آسکانی کو ابوظبی بلا کر اب میں مطمئن تھا کہ میری والدہ کے غم وفکر میں کچھ کمی آئی ہوگی۔ اور وہ گھر کے تمام افراد کے ساتھ پھر سے ہنسی خوشی سے زندگی کے دن گزار رہی ہوگی۔

نور بھائی اور عرفان کے آنے سے طارق علی اور امجد علی کو اچھی کمپنی مل گئی تھی اور میرے مشورہ پر ان دونوں نے انہیں ابوظبی کی خوب سیر بھی کرائی اور انہیں اپنے کاموں کے بارے میں بھی بتایا اور یہاں جو لوگ غیر ملکوں آتے ہیں ان کے شب وروز کس طرح محنت سے گزارتے ہیں اس نظریہ سے بھی انہیں روشناس کرایا۔

باب۔۲۹

نظریہ کیا ہے؟

ہم نے زندگی میں کبھی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کا کوئی نام نہ ہو اور جو معمولی ساکھ بھی نہیں رکھتا ہو۔ معاشرے میں زندگی گزارنے کے لئے آدمی کو شناخت اور کام دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ نام شناخت کا ذریعہ ہے، اور کام سے ساکھ بنتی ہے۔ اسی طرح دنیا میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں جس کی کوئی شناخت نہ ہو اور ساکھ سے بھی خالی ہو، کیونکہ نام اور ساکھ کے بغیر قوم بنتی ہے اور نہ ہی باقی رہ سکتی ہے۔ نظریہ معاشرے کو شناخت دے کر قوم بناتی ہے، لیکن نظریہ کچھ عملی مقاصد بھی رکھتا ہے، جن کا حصول قوم کی ساکھ بناتا ہے۔ جدید دنیا میں قوم ہونے کا مطلب ہی سیاسی شناخت ہے، جو کسی نہ کسی نظریہ سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے نظریہ سیاسی ہوتا ہے اور قوم کے سیاسی عمل کے مقاصد بھی متعین کرتا ہے۔ ایک آدمی کا کام انفرادی یا سماجی ہوتا ہے، جب کہ قوموں کا کام اجتماعی ہوتا ہے۔ اجتماعی عمل کی نوعیت سیاسی، معاشی اور علمی ہوتی ہے۔

دنیا میں ہر قوم کا سیاسی عمل کچھ طے شدہ اقدار و نظریات کے تحت سرانجام پاتے ہیں، اور قوم کی سیاسی اور معاشی پالیسی کے ساتھ ساتھ فکر میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ ''رہنما سیاسی اقدار'' قوم خود طے کرتی ہے اور ان پر عمل کرنے کی جدوجہد کرتی ہے۔ اس جدوجہد کا بنیادی دائرہ سیاسی بقا اور ترقی ہے۔ اپنے اجتماعی اقدار طے کرتے ہوئے ہر معاشرہ اپنی تاریخ، مذہبی تعلیمات، سیکولر فکر اور ثقافتی ترجیحات وغیرہ کو لازمی سامنے رکھتا ہے، اور ان ہی کے تناظر میں اپنے اقدار اور رہنما اصول طے کرتا ہے۔ سیاسی اقدار و نظریہ کبھی انفرادی نہیں ہوتے، بلکہ یہ سب اجتماعی ہوتا ہے۔ کوئی قوم اپنے سیاسی اقدار اور نظریہ کا تعین کسی دوسری

قوم کے کہنے پر نہیں کرتی۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ محکوم، کمزور یا شکست خوردہ قوم اپنی قومی شناخت اور اقدار کو باقی رکھ نہ سکیں اور غالب قوم کی مکمل نقل بن جائیں۔ ایسی صورت میں صرف نسلی، لسانی، اور جغرافیائی شناخت ہی باقی رہ جاتی ہے۔

نور بھائی اور عرفان کو یہاں آئے ہوئے دو ماہ کا عرصہ ہوا تھا۔ میری ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ جو بھی بندہ کراچی سے آئے وہ سب سے پہلے یہاں کے ماحول میں اپنے آپ کو ایڈجیسٹ کرے، تاکہ یہاں کی تکالیف اور مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکے۔ اسی لئے انہیں آسائشیں اور اچھا ماحول فراہم کیا۔ قصر والے کزن سے ان دونوں نور بھائی اور خالہ زاد بھائی عرفان کے لئے آفس کے کام کے لئے بات چیت چل رہی تھی تاکہ یہ ابوظہبی کی سخت گرمی سے بچ جائیں۔

نور نے گریجویشن کی ہوئی تھی اس لئے انہیں شیخ نہیان بن مبارک آل نہیان کے 5Star ہوٹل میں اچھی نوکری مل گئی اور وہ برسر روزگار ہو گئے۔ میں نے اللہ تعالی کے بارگاہ میں شکرانہ کے دو نوافل ادا کئے۔ اللہ کا کرم ہوا اور وہ اس راہ پر چل پڑے۔ انہیں وہیں ہوٹل میں رہائش اور تین وقت کا کھانا اور تمام مراحات مل گئے۔

❁❁

ایرانی بلوچستان کی یاترا

بینک کے کاموں کے ساتھ ساتھ بچوں کے لئے وقت نکالنا اور انہیں زندگی کی رعنائیاں اور راحتیں دینا ضروری چیزیں ہیں۔ان کے لئے جمعرات کی شام اور جمعہ کا دن مختص کیا ہوا تھا۔میرے بیٹے عبدالحفیظ اور عبدالحسیب اپنی پڑھائی اور ٹیوشن پر توجہ دیتے تھے۔انہیں گھر پر ہی دینی اور دنیاوی علم پڑھانے کے لئے سرذکی کی خدمات حاصل کی ہوئی تھیں۔انہوں نے کراچی یونیورسٹی سے ڈبل ایم اے کیا ہوا تھا اور تعلیم وتربیت پر اچھی گرفت رکھتے تھے۔

اس بار اسکول کی چھٹیوں پر دو ممالک ایران اور پاکستان جانے کا پروگرام بنایا۔ ایرانی ایمبیسی میں پاسپورٹ ویزہ لگانے کے لئے جمع کروائے،اسی دن دوپہر کو انہوں نے ویزہ لگا کر پاسپورٹ واپس کردیئے۔ایرانی بلوچستان کے سب سے بڑے شہر زاہدان کے لئے دبئی سے ہفتہ میں دو پروازیں تھیں۔ہم دبئی کے انٹرنیشنل ائرپورٹ سے صوبہ سیستان و بلوچستان ایران کے دارالحکومت زاہدان ائرپورٹ کی جانب روانہ ہوئے۔دبئی سے زاہدان کا فاصلہ اس وقت ڈیڈھ گھنٹہ کا تھا اس لئے ہم ڈیڈھ گھنٹہ کی مسافت طے کرنے کے بعد زاہدان کے انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچے۔

اسلامی انقلاب کے بعد مغربی اور امریکی ذرائع ابلاغ نے ایران میں خواتین کے ساتھ گورنمنٹ کے مبینہ طور پر نازیبا رویوں کی جانب سوالیہ نشان اٹھائے تھے۔میں اکثر اسلامی رواداری رکھنے،اسلامی اصولوں کی پابندی کرنے پر دبے لفظوں میں ایرانی حکومت کے لئے دل میں احترام وعزت رکھتا تھا اس لئے میں نے اپنی بیگم کو بھی تاکید کی کہ

وہ ایران کے قوانین کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے جسم کو ایرانی چادر سے اچھی طرح ڈھانپ لیں۔

زاہدان ائرپورٹ اس وقت وسیع اور اتنا بڑا نہیں تھا۔ایمیگریشن میں طویل قطار لگی ہوئی تھی،ہماری باری آنے پر Arrival کی اسٹامپ لگا کر مجھے مردانہ چیک پوسٹ کی طرف بھیجا جبکہ میری بیگم اور بچوں کو عورتوں کے لئے جگہ کی طرف جانے کا کہا گیا،میں چیکنگ سے جلد فارغ ہوا اور بیلٹ کی جانب روانہ ہوا جہاں سامان کو آنا تھا۔لیکن میری فیملی تھوڑی دیر بعد آئی تب انہوں نے آکر بتایا کہ خواتین چیکنگ افسران کا غیر ملکیوں کے ساتھ رویہ بہت غلط تھا اور سخت چیکنگ کے ساتھ ساتھ وہ ہونٹوں پر لگی سرخی کو بھی ٹیشو پیپرز سے جابرانہ انداز میں صاف کررہے تھے۔رویہ انسان کو مار ڈالتا ہے اسلئے میں ہمیشہ ایسے رویوں کا مخالف رہا ہوں جن سے دوسرے انسان کو تکلیف پہنچے۔

کسٹم کے مراحل سے فارغ ہوکر ہم ائرپورٹ سے باہر آئے جہاں پر میرے تایازاد بھائی (بہنوئی) لیاقت علی آسکانی ہمیں لینے آئے تھے۔وہ ہمیں ریسٹ ہاؤس لے گئے رات کا وقت تھا اس لئے کچھ دیر آرام کرنے کے بعد فجر کی نماز پڑھی اور ناشتہ کرنے کے بعد ایرانشہر کی طرف صبح سویرے روانہ ہوئے۔

زاہدان صوبہ سیستان وبلوچستان کا دارالخلافہ ہے جہاں گورنر ہاؤس،تمام صوبائی اداروں کے مرکزی دفاتر موجود ہیں۔یہ تاریخی شہر اپنی تاریخی تعمیرات کے ساتھ ساتھ ماڈرن عمارات اور خوبصورت مساجد اور قدیم بازاروں کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔

زاہدان سے براستہ زابل،کئی قدیم اور خوبصورت شہروں سے گزرتے ہوئے یہ طویل لیکن خوشگوار سفر ہم نے طے کیا اور بلوچستان کی اہم ترین وتاریخ وتمدن سے آراستہ شہر

ایرانشہر سٹی پہنچے۔ ایرانشہر سٹی میں بلوچوں کی بڑی اکثریت ہے، لیکن وہاں سنّی اور شیعہ حضرات کے درمیان جو ہم آہنگی، خلوص اور پیار دیکھا، وہ جس طرح پرامن فضا میں اپنی عبادات انجام دے رہے تھے اور ایک دوسرے کے درمیان ثقافتی رشتے بنا کر رکھتے تھے وہ واقعی ایک زندہ قوم کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔

ایرانشہر میں بھائی لیاقت علی آسکانی نے ڈبل کیبن گاڑی اپنے ادارے ادارہ مالاریا کی باؤنڈری میں کھڑی کی ہوئی تھی۔ وہاں جا کر اپنا تمام سامان اس ٹیوٹا ڈبل کیبن میں منتقل کیا اور آگے کا سفر شروع کیا۔ ایرانشہر سٹی سے سرباز سٹی کا سفر ڈیڈھ گھنٹہ کا تھا جسے ہم نے خوبصورت شارعوں اور سڑک کے کنارے بنے باغات اور نہروں کے نظارے دیکھ کر جلد ہی پورا کیا۔ آبائی گاؤں پہنچنے پر تایا ابا اور گھر کے تمام افراد نے ہمارا خیر مقدم کیا اور بہت خوشی کا اظہار کیا۔

عبدالحفیظ اچانک مرض میں مبتلا

گاؤں اور دیہاتوں کے ماحول کو میں بے حد پسند کرتا ہوں اس بار بچوں کے ہمراہ یہاں آ کر یہاں کے قدرتی نظاروں سے لطف اندوز ہو کر دلی سکون حاصل ہوا۔ یہاں تقریبا 10 دن رہے اور روزانہ کہیں نہ کہیں ہم نے دعوتوں کے مزے لوٹے اور خوب پہاڑوں اور وادیوں کی سیر و سیاحت کی۔

واپسی پر ہم زاہدان کے ائرپورٹ کے راستہ دبئی انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچے، دبئی انٹرنیشنل ائرپورٹ اس وقت خلیجی ریاستوں میں ایک خوبصورت اور بڑا ائرپورٹ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ انہیں ایک اور بڑے انٹرنیشنل ائرپورٹ بنانے کا خیال آیا اور بعد میں انہوں نے اس خیال کو عملی جامہ بھی پہنایا اور ایک عظیم ائرپورٹ بنا کر دنیا کو حیرت زدہ کیا۔

ائرپورٹ میں ہمیں لینے کے لئے دبئی میں رہنے والے ہمارے خالو مرحوم مراد حاصل اور دوست نعیم صاحب، امجد علی اور طارق علی کے ساتھ آئے۔ رات کا کھانا ہم نے ان کے ساتھ کھایا اور پھر وہ ہمیں ہوٹل چھوڑ آئے۔

کراچی کے لئے ہماری صبح 10 بجے کے وقت فلائٹ تھی اس لئے ہوٹل کے کمرہ میں جا کر آرام کیا اور صبح فجر کی کے لئے اٹھا، نماز پڑھی اور سب کو اٹھانے لگا۔ بیگم نماز سے فارغ ہو کر کیچن کی طرف چلی گئی جہاں وہ چائے بنانے مصروف تھیں، میں نے عبدالحفیظ کو اٹھنے کے لئے آواز دی وہ نہیں جاگا تو میں نے اپنے ہاتھ کی جنبش سے اسے اٹھانا چاہا تو وہ ہڑبڑا کر اس طرح اٹھا کہ ہمیں پریشان کر دیا وہ پھر لیٹ گیا اور مرگی کے مریض کی طرح تڑپنے لگا۔ میں نے اس کے سرہانے بیٹھ کر قران کی آیاتوں کا ورد کیا اور کچھ آرام آنے پر

میں نے اپنے خالو اور دبئی میں رہنے والے دوست نعیم صاحب کو فون کیا اور سارا ماجرہ سنایا، وہ لوگ پہلی فرصت میں جلد ہی ہوٹل پہنچے اور پھر ہم عبدالحفیظ کو دبئی ہسپتال لے گئے جہاں انہوں نے ان کے کئی ٹیسٹ کئے اور رپورٹ آنے پر ڈاکٹرز نے انہیں کچھ دن ہسپتال میں ایڈمٹ کرنے کے لئے کہا۔ ہم نے انہیں بتایا کہ ہماری آج 10 بجے فلائٹ ہے اگر آپ اپنی رپورٹ لکھ کر دیں تو ہم کراچی میں اس کا علاج کرائیں گے۔ ڈاکٹرز نے کہا کہ آپ اپنے Risk پر عبدالحفیظ کو لے جا سکتے ہیں، اس موقع پر انہوں نے رپورٹ اور دوا کی پرچی لکھ کر دی۔ دوا خرید کر ہم ہوٹل پہنچے اور ایک ساتھ ہم سب نے ناشتہ کیا اور عبدالحفیظ کو گولیاں کھلائیں۔ 8.30 بجے ہم کراچی جانے کے لئے دبئی انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچے اور بخیر و عافیت گلف ائر کی ڈیڈھ گھنٹہ کی پرواز سے کراچی کے جناح انٹرنیشنل ائرپورٹ اترے، جہاں خاندان کے افراد نے استقبال کیا اور کوسٹر کے ذریعہ ہم اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

شہر کراچی میں گرمیوں کے موسم میں چھٹیوں پر آتے تھے تب اتنی گرمی محسوس نہیں ہوتی تھی کیونکہ اس وقت الیکٹرک بغیر کسی رکاوٹ کے میسر تھی، کبھی کبھار دوران بارش خلل ہو جاتی ہوگی لیکن لوڈ شیڈنگ کے نام سے کوئی واقف نہیں تھا اور ماہانہ بل بھی میٹر کے مطابق اور سستا پڑتا تھا۔

آج ہم ان دنوں کو یاد کر کے صرف یہ کہہ سکتے ہیں:

کتنے وہ یادگار و سنہرے، حسیں ماضی کے دن
پرانے سسٹم اور عنایتوں سے بھرے سہانے دن

بیرون ملک سے اپنے دیس آنے پر سب عزیز و رشتہ دار اور دوست احباب ملنے آتے ہیں۔ حال واحوال کرنے کے بعد ان کا ایک ہی مشورہ ہوتا تھا کہ منرل واٹر استعمال

کریں۔ کبھی کبھار پانی بدل جانے سے ڈائریا جیسے مرض کا شدید خطرہ لائق ہو جاتا ہے، اس لئے ہم نے شروعات کے دنوں میں منرل واٹر پینے کے لئے استعمال کیا۔

کراچی پہنچنے کے بعد آغا خان ہسپتال میں دماغی امراض کے ڈاکٹر سے ملاقات کا وقت لیا اور دوسرے دن عبدالحفیظ کو دبئی ہسپتال کی رپورٹوں کے ساتھ لے جا کر دکھایا اور اس کی بیماری کی ساری کیفیت بتائی۔ اچھے ماہر ڈاکٹر تھے انہوں نے عبدالحفیظ کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ اور MRI کرنے کے لئے ٹیسٹ لکھ کر دیا تاکہ پوری طرح سے بیماری کی تشخیص ہو سکے۔

کراچی شہر کے ایک بہترین لیبارٹری سے MRI کرایا اور رپورٹ ملنے پر ڈاکٹر سے ملاقات کی اور انہیں رپورٹ دکھائی۔ ڈاکٹر نے رپورٹ کی بنیاد پر مرگی کی تشخیص کی اور بتایا یہ مرگی کے دورے کا پہلا اسٹیج ہے ابھی ذرا سا اثر ہوا ہے اگر علاج صحیح طرح سے ہوا تو یہ ختم ہو سکتا ہے۔ انہوں نے Tegretol tab 200mg کی ایک گولی روزانہ دینے کا بتایا۔

مرگی کا دورہ کیا ہے؟

مرگی کا دورہ دماغ میں برقی خلل کی وجہ سے بنتا ہے جو یہ دماغی خلل پورے دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مختلف انسانوں پر یہ دورہ مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں، یہ اس بات پر منحصر ہے کہ یہ بیماری دماغ کے کس حصہ پر موجود ہے۔ ایسا بچہ (جسے غیر حاضر دورہ ہوتا ہے) وہ یہ محسوس کرتا ہے جیسے وہ خلاء میں تیر رہا ہو یا دن میں خواب دیکھ رہا ہو۔ ایسا بچہ (جسے سادہ جزوی دورہ پڑے) وہ ایسی آواز سنے گا جس کا کوئی وجود نہیں ہوگا یا اپنے ایک بازو پر جھٹکے محسوس کرے گا۔

ایک شدید تشنجی دورے سے بچہ زمین پر گر کر بل کھانے لگتا ہے۔

شدید دورے کے دوران انسان ہوش کھوسکتا ہے یا پھر اردگرد کے ماحول کو دیکھ رہا ہوتا ہے اور بات کرسکتا ہے۔ مرگی کسی چوٹ، ٹیومر، زخم یا دماغ میں خون کی رگوں کے آپس میں اُلجھنے سے ہوسکتا ہے۔

اگرچہ مرگی کی کوئی بظاہر وجہ نظر نہیں آتی۔ ایم آئی آر اور سی ٹی اسکین میں دماغی رپورٹ عموماً درست نظر آتی ہے۔ مرگی کی بیماری عموماً بچوں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔

ایک بار کے دورے کا مطلب یہ نہیں کہ بچہ کو مرگی ہوگئی ہے، پچاس فیصد بچے جن کو ایک بار دورہ ہوجائے دوبارہ کبھی نہیں پڑتا۔ دوسرے دورے کا مطلب آئندہ بھی دورہ پڑنے کا امکان موجود ہے۔ یہی وہ موقع ہے جب علاج کے بارے میں سوچنا ضروری ہے۔ مرگی کے کچھ اقسام دواؤں کے ساتھ قابل علاج ہیں۔ کچھ میں خاص خوراک کی اور کچھ میں سرجری کرانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک بچہ کو دوا کا اثر ہوتا ہے اور دوسرے کو نہیں ہوتا۔ مرگی ایک بہت مشکل بیماری ہے، اس لئے یہ بچوں، والدین اور ڈاکٹروں کو بھی پریشان کرسکتا ہے۔ ڈاکٹروں کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ بچہ کے لئے کونسا علاج درست ہوگا۔

کراچی میں ہم ایک ماہ رہے عبدالحفیظ کو ویڈیو گیمز کھیلنے کے دوران دو بار یہ دورے پھر سے ہوئے وقت پر گولیوں کا استعمال نہ کرنا ایک بڑی وجہ تھی۔ ہم ایک ماہ کراچی میں رہ کر واپس ابوظبی روانہ ہوئے، اس بار کراچی کا آنا ہمارے لئے ناگوار ثابت ہوا۔ زندگی میں آسانی کے ساتھ ساتھ کچھ مشکل مراحل بھی آتے ہیں اس لئے رب پاک کی رضا پر ان کا ہر حال میں شکریہ ادا کیا۔ لیکن اب عبدالحفیظ کی طرف ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئیں تھیں، اس بات کا خیال رکھتے تھے کہ وہ روزانہ اپنی گولی کھالے تاکہ پھر سے یہ دورہ نہ پڑے۔

میرا ایک سپنا

ابوظبی میں رہ کر اللہ تعالی نے مجھے استقامت دی اور میں نے اپنے بھائیوں کو یہاں بلا کر کام پر لگوایا، ان کی شادیوں میں ان کی مدد کی، اپنی والدہ اور بھائیوں کے لئے گھر کی تعمیر میں اپنا بھرپور حصہ ڈالا بہرحال اپنی فیملی کے لئے الگ مکان کی تعمیر ادھوری تھی جس کو تکمیل تک پہنچانا میرا سپنا تھا۔

گراؤنڈ فلور کی تعمیر کے بعد کام رک گیا تھا اب اس کام کو پھر سے شروع کرنے کے لئے بینک سے قرضہ لیا تاکہ اس مکان کو ڈبل اسٹوری کا اسٹرکچر دے کر آہستہ آہستہ اس کی تعمیر جاری رکھوں۔

مکان کی ضرورت تمام انسانوں کو رہتی ہے۔ اس خیال کو عملی جامہ پہنانا، وہاں رہ کر ہم خیال لوگوں اور اپنی بیگم سے سیکھا، حالانکہ میں نے والدہ کے مکان کی جو تعمیر کی تھی وہاں فرسٹ فلور پر میرا تین بیڈروم کا فلیٹ پہلے سے موجود تھا۔ اور جب ہم کراچی جاتے تو وہیں ٹھہرتے تھے۔ میری طرح ہر انسان کی اولین خواہشات میں روٹی کپڑے کے بعد رہنے کے لئے اپنے مکان کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلکہ مرد سے زیادہ ہر عورت کی ایک خواہش ہوتی ہے کہ اپنا گھر ہو جہاں اپنی فیملی کے ساتھ آزادی سے زندگی کے دن گزار سکیں۔ لہذا اس تگ و دو میں ایک ذمہ دار آدمی فیصلہ کر ہی لیتا ہے کہ اپنی آمدنی کے ایک حصہ سے اس عمل کی جانب قدم بڑھائے۔ ابوظبی میں رہ کر اور اچھے کام میں برسر روزگار رہ کر میں نے اپنی اور اپنی شریک حیات کی یہ خواہش پوری کی۔

مکان کی تزئین و آرائش پر رقم صرف کرنا ایک دانشمندانہ فیصلہ ہے۔ اگر آپ نے یہ فیصلہ کرلیا ہے تو یقین کیجئے، یہ نہ صرف لوگوں کو آپ کے جمالیاتی ذوق کا گرویدہ بنائیں

گے بلکہ دنیائے رئیل اسٹیٹ کے ہر زاویہ سے آپ کا مکان بہترین نظر آئے گا۔

ہاؤسنگ ماہرین کے مدبرانہ رائے کے مطابق اگر کسی گھر کا کیچن خوبصورت بنا دیا جائے تو گھر کی قدر و قیمت میں 15٪ تک اضافہ ہوسکتا ہے۔ اکثر گھروں میں دیکھا جاتا ہے کہ کیچن میں ہوا کی مناسب آمدورفت کا ذریعہ نہ ہونے کے سبب اس کی دیواریں آگ کی کالک سے گندی ہوجاتی ہیں۔ ان تمام عوامل (ہوا کے آمدورفت کے ذریعہ) کا کیچن میں رکھنا بہت ضروری ہے۔ گھروں کے اندرونی ڈیزائن کے ماہرین یہ بتاتے ہیں کہ کیچن کو اگر سلائیڈنگ دروازہ لگا دیا جائے اور اس میں ایک چھوٹی سی میز اور چند کرسیاں لگا کر چھوٹا سا ''ڈنر روم'' بھی بنا دیا جائے تو اس کی مکمل تصویر تبدیل ہوجاتی ہے۔ کیچن کے تمام دیواروں پر پینٹ کا لازمی خیال رکھیں، خوبصورت کیبنیٹ کا اضافہ کریں جس میں باورچی خانہ میں استعمال ہونے والے تمام سامان کو رکھا جاسکے۔

ماہرین کے مطابق جب انسان اپنے گھر کی تزئین و آرائش کا بیڑا اٹھاتا ہے تو سب سے پہلے بیڈروم میں ہی تبدیلیاں کرتا ہے اور اسے ہی خوبصورت اور پُرکشش بنانے کی طرف اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے۔ بیڈروم کو سجانے سے انسان اپنے گھر کے ویلیو کو 10٪ بڑھا سکتا ہے۔ بیڈروم میں سیلنگ اور دیواروں کو سجانا بہت ضروری ہے۔

میرے گھر کی تعمیر کا بقایہ کام دو سال کے اندر مکمل ہوا میں نے ابوظبی میں رہ کر اس دوران مکان کی تعمیر و آرائش کی ذمہ داری اور پورے کام کی نگرانی اپنے ماموں رمضان بلوچ کو دی۔ اور اس خوبصورت مکان کی تعمیر میں ان کے مشورے بھی شامل حال رہے جس کی وجہ سے اس چھوٹی سی جگہ پر اس گھر کو بڑی خوبصورتی سے کشادہ بنایا جاسکا۔ سال 1995 میں جب ہم کراچی چھٹیوں پر آئے تو پہلی بار اپنے نئے مکان میں شفٹ ہوئے اور وہاں جا کر قیام کیا۔

مختصر قیام کے بعد میں اپنی فیملی بیگم اور تینوں بچوں کے ہمراہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں عمرہ کی ادائیگی کے لئے سعودی عرب کے لئے روانہ ہوا۔

اپنی فیملی کے ساتھ یہ سعادت حاصل کرنے پر اللہ تعالی کا بہت بہت شکر ادا کیا ان کی نوازشیں اتنی تھیں کہ ہم ان نعمتوں کو گن نہیں سکتے۔ عبدالحفیظ کو مرگی کی بیماری سے نجات مل چکی تھی البتہ روزانہ ایک گولی استعمال کرنا ضروری تھا۔ مکہ مکرمہ میں ہم صبح سحری کے وقت پہنچے۔ اس وقت بے بی مریم سو رہی تھی اسے وہیں ہوٹل میں منتظمین کے حوالہ کر کے ہم عمرہ کی ادائیگی کے لئے خانہ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عمرہ سے فارغ ہو کر واپس ہوٹل پہنچے تو دیکھا مریم رو رو کر ان کے قابو سے باہر ہوگئی تھی۔ ہمارے پہنچتے ہی منتظمین کی جان میں جان آئی وہ غصہ میں تو تھے لیکن اس کا اظہار وہ نہ کر پائے۔ ہم نے یہ سوچ لیا کہ آئندہ مریم اور تمام بچوں کے ساتھ ہی عمرہ، طواف اور مکہ مکرمہ کے مقدس مقامات کی زیارات کریں گے۔ مکہ مکرمہ میں ہم 10 دن رہے شب القدر کی مبارک رات خانہ کعبہ میں گزاری۔

عیدالفطر مکہ مکرمہ میں منائی اور دوپہر کو مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر کچھ دیر آرام کیا اور نماز ظہر مسجد نبوی میں ادا کی اور روضہ رسولؐ کی زیارت کی، نوافل ادا کئے۔

مدینہ منورہ میں ہم 5 دن رہے۔ وہاں کا موسم بہ نسبت مکہ مکرمہ سرد تھا ہم 20 دن رہے عبادات، زیارات اور شاپنگ کرنے کے بعد آب زم زم کی بوتلوں کے ساتھ کراچی پہنچے۔

خاندان میں خوشیاں

ہمارے خاندان میں شادی بیاہ کی تقریبات کو خوب انجوائے کیا جاتا ہے اور پھر اگر دو شادیاں ایک ساتھ ہوں تو پھر بات زیادہ خوشی کی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے ابوظبی روانگی کچھ دنوں کے لئے ملتوی کی۔ ایک دولہا تو میرے چھوٹے بھائی طارق علی اور دوسرے دولہا خالہ زاد بھائی محمد ابرہیم تھے۔ شادی خیر و عافیت سے اختتام پزیر ہوئی، واپس ابوظبی جانے کی تیاری شروع کی تا کہ وقت پر پہنچ کر اپنی ڈیوٹی جوائن کروں اور پھر عبدالحفیظ اور عبدالحسیب کے اسکول کھلنے میں بھی کچھ دن رہ گئے تھے۔ اس بار میری پیاری بیٹی مریم کو بھی مونٹیسری اسکول میں داخلہ دلانا تھا۔

گلف ائیر کی پرواز سے کراچی انٹرنیشنل ائرپورٹ سے ابوظبی کے لئے روانہ ہوئے اور ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد ابوظبی انٹرنیشنل ائرپورٹ پہنچے۔ ہمیں لینے کے لئے بینک کے ڈرائیور لال خان میری کار لے کر آئے تھے۔

ابوظبی پہنچ کر پھر سے بینک کے کام کاج میں مصروف ہو گیا۔ بچوں کو صبح اسکول پہنچانا اور دوپہر کو لانا بھی معمولات زندگی کا حصہ تھا مجھے زندگی حسین لگ رہی تھی۔ اپنے کام میں بھی پورا وقت دے رہا تھا تا کہ زندگی خوبصورت انداز سے گزرے اور کسی کو مجھ سے کوئی شکایت نہ رہے۔

مریم ماشاءاللہ بچپن ہی سے ذہین اور سمجھدار بچی تھی اس لئے اس کو اچھی تعلیم و تربیت دلانا میں نے اپنا فرض جانا اور ایک اچھے مونٹیسری اسکول میں اسے داخلہ دلایا۔ شام کو سرذ کی آ کر تمام بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے تھے اب ان میں بیٹی مریم کا بھی اضافہ ہو گیا۔

بچوں کی زندگیاں والدین کے گرد گھومتی ہیں، بچہ ہر معاملہ میں ان کی رہنمائی کا

طلبگار رہتا ہے۔ اپنی زندگی کا ہر مشورہ اور فیصلہ وہ ماں باپ کی مرضی سے کرتے ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ تعلیم کے بغیر دنیا میں بہت سی مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تعلیم ہی ہے جو انسان کی صلاحیتوں کو نکھارتی اور سنوارتی ہیں۔

جیسے ہی بچہ سمجھدار ہونے لگتا ہے ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اچھے نمبروں سے پاس ہو کر ڈاکٹر، انجنیر ، پائلٹ وغیرہ بن کر خاندان کا نام روشن کرے اب حقیقت یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کا عنصر بھی لازمی ہے۔ تربیت کی افادیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں محض تعلیم پر زور ہے مگر اچھی تربیت کا فقدان نظر آتا ہے۔ اسی لئے ہمارے تعلیمی نظام کے بہتر نتائج سامنے نہیں آتے، اگر تربیت بچپن سے ہی کی جائے تو وہ بچے کے لئے سودمند رہتا ہے۔

تربیت کے لئے ضروری نہیں وہ درسگاہ میں ہو بلکہ صحیح تربیت گھر پر ہی کی جاسکتی ہے عام طور پر زیادہ موثر و مضبوط بنیادوں پر ہوتی ہے۔ والدین اگر اپنے بچوں کو زندگی گزارنے کے بہتر طریقے بتائیں تو وہ بہت حد تک اپنے والدین کی باتوں اور اچھے ماحول کو اختیار کر لیتے ہیں۔

لیکن آجکل کے ماحول کا ہم موازنہ اپنے وقت سے کریں تو وہ دور ایک بہت بہترین دور تھا آجکل مسلم معاشرہ کے بہت سے گھرانوں کا ماحول اس قدر آزاد ہو گیا ہے کہ اولاد پر اس کا اچھا اثر ہوتا نظر نہیں آتا۔ والدین رات کو دیر تک جاگتے اور دن چڑھے تک سوتے رہتے ہیں اس لئے آجکل کے بچے بھی اس روایت کے امین بن گئے ہیں۔

بچے پیار و محبت کے بھوکے ہوتے ہیں والدین ہی ایسی روشنی ہیں جو ان چراغوں کو روشن رکھ سکتے ہیں اور میں نے ابوظبی میں رہ کر ان کی جو تربیت کی اور میرے بچوں نے اس تربیت کو اب تک قائم رکھا ہے اس پر مجھے ہمیشہ فخر رہے گا۔

گنتوت شہر کی تعمیر

مجھے بینکنگ کے شعبہ میں سروس کرتے ہوئے 17 سال 1995 میں پورے ہوئے۔ ان سالوں میں میں نے ابوظبی اور امارات کی ریاستوں کو جس ترتیب سے ترقی کرتے دیکھا مجھے ایسا لگا یہ باقاعدہ پلاننگ کے مطابق اپنے ملک کو تیل اور گیس سے مالا مال خوبصورت، صنعتی اور زرعی ملک بنا رہے ہیں۔

سمندر سے انہیں Seafood اتنی مل رہی تھی کہ جسے فیکٹریاں لگا کر صاف اور منجمد کر کے باہر کے ممالک کو برآمد کر رہے تھے۔ اور جو اہم چیز میں نے ان میں دیکھی وہ یہ کہ اپنے بنائے ہوئے قوانین کو کبھی نظر انداز نہیں کرتے تھے۔ لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں سے یہ شکایت سننے کو ملتی تھی کہ شیوخ قانون سے بالاتر ہوتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ جو مجھے مرحوم شیخ زاید کے بہت ہی قریبی گارڈ نے سنائی جس کا اپنا اور دو کنسٹرکشن اور ٹرانسپورٹ کمپنی کے اکاؤنٹس ہمارے بینک میں تھے وہ پاکستانی بلوچ تھا لیکن اب یہاں کی نیشنلٹی اسے مل گئی تھی۔ اس کے آباء و اجداد کا تعلق خضدار بلوچستان سے تھا وہ اکثر شیخ زاید مرحوم کے ساتھ مسافرت میں ساتھ رہتے تھے۔ انہوں نے ذکر کیا کہ ایک بار ہم گنتوت شہر Ghantoot City کے ساحل سے گزر رہے تھے تو شیخ صاحب نے فرمایا علی! اگر یہاں پر بندرگاہ ہوتا تو کیسا لگتا یہاں کے لوگ برسر روزگار رہتے اور یہ شہر ترقی کرتا۔ علی نے ان سے کہا حضور! آپ آرڈر دیں کل سے یہاں کام شروع ہو جائے گا۔ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر میری گنتوت کنسٹرکشن اس کو تعمیر کرے گی۔ دوسرے دن ہی علی کی کمپنی کو یہ کنٹریکٹ ملا۔ اور آج گنتوت بندرگاہ آب و

تاب سے ابوظبی کے لئے ریوینیو حاصل کر رہی ہے۔ یہ ایسے مسئلہ ہوتے ہیں جہاں قانونی کاروائی پوری ہونے سے پہلے ہی کام شروع ہو جاتے ہیں، شیخ زاید مرحوم اور علی کو ایک دوسرے پر اعتماد تھا اس لئے قانون سے ہٹ کر شیخ زاہد نے اسے اولیت دی اور کنٹریکٹ دیا۔

زندگی کا حسن بھائی چارگی میں ہوتا ہے اس یکجہتی کو پروان چڑھانے کے لئے کسی کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ اس کو پائیدار اور مضبوط بنانے کے لئے ہر ایک کو اپنے حصہ کا کام کرنا پڑتا ہے۔ یہ قول متحدہ عرب امارات کے مرحوم صدر شیخ زاید بن سلطان آل نہیان کا ہے۔ جس نے اپنی پوری زندگی انسانیت کی خدمت میں گزاری اور تمام ریاستوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کیا اور انہوں نے انہیں اپنے فلسفہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے کی تلقین کی۔ اس کے ساتھ ساتھ خلیج کے تمام ممالک کے ساتھ مل کر خلیجی ممالک کی تعاون کونسل بنائی۔ جس کے تحت خلیجی ممالک کے درمیان سفر کے لئے وہاں کے باشندوں کو سفری دستاویزات سے مستثنیٰ قرار دیا۔ اس سے خلیج کے تمام افراد کو ایک دوسرے کے ممالک میں آنے جانے سے جہاں برادرانہ تعلقات مستحکم ہوئے وہیں سیر و سیاحت سے ٹورزم کو بڑا فائدہ ہوا۔

خلیج تعاون کونسل کا قیام 1981 میں سعودی عرب میں ہوا اس تنظیم میں سعودی عرب، کویت، متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور اومان شامل تھے۔ اس کونسل کو بنانے کا بنیادی مقصد ان ممالک کے آپس کے معاملات میں یکجہتی پیدا کرنا اور ان کے سیاسی ثقافتی تشخص، اور عام مقاصد کو حاصل کرنا۔ انہیں عرب اور اسلامی ثقافت کے خول میں ڈالنا تھا۔ کونسل کی صدارت ہر سال تمام GCC ممالک کے صدور میں سے ایک کو دینا شامل تھا۔

خلیج تعاون کونسل GCC کے چارٹر آرٹیکل 4 اس بات کو واضح کرتا ہے کہ تمام

خلیجی ممبر ممالک میں رہنے والے شہری اپنے تعلقات کو اس کونسل میں رہ کر مضبوط کریں اور باہمی تعاون کو فروغ دیں۔

خلیجی تعاون کونسل کی ایک دفاعی پلاننگ کونسل بھی تھی۔ جو ان خلیجی ممالک کے درمیان دفاعی تعاون کو فروغ دینے کے لئے بنائی گئی تا کہ جنگ یا امن کی صورت میں متحد ہو کر ہر حالات کا مقابلہ کیا جائے۔

سب سے اعلیٰ فیصلہ ساز ہستی خلیج تعاون کونسل کی سپریم کونسل تھی جس کا اجلاس ہر سال ہوتا تھا جس میں تمام ممبر ممالک کے سربراہان شرکت کرتے تھے۔

سپریم کونسل اپنے متفقہ طور پر کئے گئے فیصلوں کو وزارتی کونسل کو بھیجتی تھی جہاں تمام ممبر ممالک کے وزیر خارجہ یا کوئی سینئر وزیر ہر تین ماہ بعد ملتے تھے اور فیصلوں پر عملدرآمد کو دیکھتے اور اگر کوئی نئی تجویز ہوتی تو اسے سپریم کونسل کو بھیجتے تھے۔

باب۔۳۵

زندگی حسیں ہے

اللہ تعالی نے ہمیشہ مجھے اچھی صحت اور تندرستی کی دولت سے مالا مال رکھا، یہ اللہ پاک کا بڑا کرم و احسان اور میری ماں کی دعاؤں کا ثمر تھا۔ وہ اکثر نماز پڑھ کر یا قران پاک کی تلاوت کے بعد دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے میرے لئے خدا سے ہم کلام رہتی تھیں۔

اس لئے میں ہمیشہ یہ کہتا ہوں کہ ماں وہ ہستی ہے جس کی پیشانی پر نور، آنکھوں میں ٹھنڈک، الفاظ میں محبت، آغوش میں دنیا بھر کا سکون، ہاتھوں میں شفقت اور پیروں تلے جنت ہے۔" ماں" ہی ایسا لفظ ہے جو دونوں ہونٹوں کے ملائے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا۔ لفظ ماں کو سنتے ہی دل و دماغ ایسے تر و تازہ ہو جاتے ہیں جیسے بارش بنجر زمین کو تر و تازہ کر دیتی ہے۔ ماں کے بغیر گھر ہمیشہ ویران نظر آتا ہے۔ اللہ تعالی نے ماں کو یہ درجہ عطا کیا کہ اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی۔ ماں کی محبت وہ گہرا سمندر ہے جس کی گہرائی کو آج تک کوئی ناپ نہ سکا اور نہ ہی ناپ سکے گا۔ ماں کی عظمت ہمالیہ کی پہاڑ کی بلندی کی طرح ہے جہاں نہ آج تک کوئی پہنچا نہ پہنچ سکے گا۔ ماں کی محبت وہ سدا بہار پھول ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی، ماں کے بارے میں لکھنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے برابر ہے۔ ہر رشتے کی محبت کو الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے مگر ماں کی محبت نا قابل بیان ہے۔ ماں کہنے کو تین حروف کا مجموعہ ہے لیکن اپنے اندر کل کائنات سموئے ہوئے ہے۔ کہتے ہیں کہ محبت کی ابتداء اور انتہاء کو دنیا میں ناپنے کا اگر کوئی پیمانہ ہو تو وہ صرف اور صرف ایک لفظ میں مل سکتا ہے اور وہ لفظ ہے ماں۔

حضرت موسی علیہ سلام اپنی ماں کی وفات کے بعد اللہ تعالی سے ہمکلام ہونے

کے لئے جارہے تھے کہ راستہ میں ٹھوکر لگنے سے گرنے لگے کہ غیب سے آواز آئی ''اے موسیٰ! سنبھل کر چل اب تیرے پیچھے دعا کرنے والی ماں نہیں ہے''۔ اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں ماں کے سوا کوئی مخلص اور سچا رشتہ نہیں ہے۔

ماں کی دعاؤں کے طفیل ابوظبی میں میرے شب و روز اپنی چھوٹی سی فیملی اور بھائیوں کے ساتھ بڑی راحت اور آسودگی سے گزر رہی تھی۔ میرے بیٹے عبدالحفیظ، عبدالحسیب اور مریم بیٹی دل جوئی کے ساتھ اپنی تعلیم پر توجہ دے رہے تھے تاکہ زندگی کی دوڑ میں تعلیم و تربیت کے ساتھ اپنے مستقبل کو سنوار سکیں۔ وہ میری اب تک کی کہانی سے بہت متاثر تھے۔ کیونکہ میری بیگم اکثر رات کو سونے سے پہلے ہماری کہانیاں سناتی تھیں جو سچی آپ بیتی پر مبنی تھیں۔ اس سے بچوں کے ذہنوں میں ایک بات بیٹھ گئی تھی کہ اخلاق و برداشت اور محنت کے بغیر زندگی کا اصول ممکن نہیں اور ان سب کا محور وہ رب العالمین کی ذات ہے جس پر تمام انسانوں کو پختہ اور یقین کامل ہے۔

قصر والے کزن حاجی اللہ داد کی فیملی اور میرے دوست عبدالرحمن کی فیملی اکثر ہمارے گھر ملنے آتے تھے اسی طرح ہم بھی ان فیملیوں سے ملنے جاتے تھے اور کبھی کبھار پکنک کا پروگرام بھی بناتے۔ خلیجی ممالک میں اکثر لوگ چھٹیوں کے دنوں میں فیملیز کے ساتھ فیملی پارکوں کی طرف جاتے ہیں۔ پکنک پر جانے سے پہلے اس کی تیاری رات کو کی جاتی ہے، گوشت کو مصالعہ جات لگا کر فریزر میں رکھ دیئے جاتے تھے تاکہ پکنک کے موقع پر تکہ کباب اور دوسرے آئٹم لذیز بن جائے۔ ہم اپنے ساتھ تکہ بنانے کے لئے تمام سامان جو اس کے لئے درکار ہوتے تھے اپنے ساتھ لے جاتے تھے اور یہ ایک بہت شاندار فیملی Gathering ہوجاتی تھی۔ اس موقع پر بچے پارک میں موجود جھولوں سے لطف

اندوز ہوتے تھے، خواتین جب چار مل جائیں تو وہ بھی اپنی محفل کو گپ شپ سے رنگین بنا دیتی ہیں۔ اس لئے خواتین نے الگ سے اپنی مجلس سجا رکھی تھی اور کباب و تکہ بنانے کی ذمہ داری مردوں کو دے دی تھی تاکہ وہ اس کام کو ذمہ داری اور خوبی سے انجام دیں۔

حاجی صاحب تکہ کباب بنانے میں ماہر تھے اس لئے ہم صرف ان کی مدد کرتے تھے اور وہ بڑی محنت سے لذیز ڈش بناتے تھے۔ ایسے موقعوں پر وہ قصر سے بھی کچھ آئٹم بنا کر لاتے تھے جس کی وجہ سے پکنک پارٹی کا لطف دوبالا ہوتا تھا۔

ہر سال کراچی چھٹیوں پر جانا ہمارے معمولات زندگی میں شامل تھا تاکہ میں اپنی ماں بہنوں، بھائیوں اور رشتہ داروں سے مل لوں۔ اسی طرح میری بیگم بھی اپنے والدین اور بہن بھائیوں کی خوشیوں میں شامل ہوتی تھیں۔

اس بار ہم آئے تو میرے خالہ زاد بھائی امجد علی بھی ابوظبی سے ساتھ آئے، ان کی شادی خانہ آبادی کا پروگرام تھا اور میرا شریک ہونا بہت ضروری تھا کیونکہ اس کی شادی میری سب سے چھوٹی بہن سے طے ہوچکی تھی۔ بلوچ اپنے رسم و رواج کے مطابق پرانے وقتوں میں سات دن تک شادی کی تقریب مناتے تھے اور خوشی کا اظہار لوک گیت اور ڈھولک بجا کر کرتے تھے۔ رخصتی بلوچ رواج کے مطابق شادی کے دوسرے یا تیسرے دن ہوتی تھی۔ بلوچوں اور عربوں کے بہت سارے رسومات ایسے ہیں جو باقی اقوام سے مختلف ہیں اس کی ایک مثال لڑکی والوں کو جہیز کے لئے مجبور نہیں کیا جانا شامل ہے، بلکہ دلہن کے لئے 10/20 جوڑے کپڑے، زیورات غرض تمام شادی کے اخراجات لڑکے کو ہی کرنا ہوتے ہیں۔

کراچی میں امجد علی کی شادی میں شرکت کرنے کے لئے ہم ابوظبی سے اور امجد

علی کے والدین اور بڑی تعداد میں عزیز و اقارب صوبہ سیستان بلوچستان ایران سے تشریف لائے اور یہ ہمارے خاندان کی پہلی شادی کی تقریب تھی جس میں ہمارے خاندان کے لوگوں کی اکثریت نے شرکت کی اور اسے ایک شاندار تقریب بنایا۔

ہر قوم کی پہچان ان کی اپنی ثقافت ہوتی ہے۔ بلوچ قوم یوں تو ان چند خوش نصیب قوموں میں سے ایک ہیں جنہیں قدرتی وسائل سے مالا مال صوبہ ملا اور بدنصیبی یہ کہ ان وسائل کو بروئے کار لانے والا آج تک کوئی نہیں ملا۔ بلوچ قوم تاریخی پس منظر کے حوالہ سے اہمیت کی حامل ہے کیونکہ یہ وہ قوم ہے جو زندہ دل اور کھری بات کہنے پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کے رسم و رواج کی بات کریں تو یہ باقی تمام قوموں سے قدرے مختلف اور پرکشش ہیں۔ بہترین مثال ان کی شادی بیاہ اور رہن سہن سے لی جاسکتی ہے۔ بلوچی ملبوسات ہوں یا پھر بلوچی پکوان سب چیزیں اپنی مثال آپ ہیں۔

شادی کی تقریب، دعوتوں اور کراچی میں رہنے والے دوست احباب کے ساتھ پکنک پارٹیوں اور اندرون سندھ کی سیر و سیاحت کر کے اس بار میں نے اپنی چھٹیوں کو اچھی طرح سے انجوائے کیا۔ بچوں کے اسکولوں کی چھٹیاں ابھی باقی تھیں اس لئے انہیں زندگی کے ان خوش کن لمحات کو انجوائے کرنے کے لئے کراچی میں ہی چھوڑا اور اکیلا ہی اپنی سروس کو پھر سے جوائن کرنے کے لئے ابوظہبی کی طرف روانہ ہوا۔

باب۔۳۶

بھائی نور

بھائی نور آسکانی کی زندگی کو اک نئے سانچے میں ڈالنے اور جہد مسلسل کے لئے ایک اچھی سروس میسر تھی وہ ابوظہبی کے ایک 5 اسٹار ہوٹل میں لگنے سے جہاں عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے وہیں انہیں تنخواہ کے ساتھ ساتھ تمام سہولتیں میسر تھیں، اور ہمیں اس بات پر بے حد خوشی تھی۔ ان کی مصروفیات کو دیکھ کر ہم ان کی طرف سے قدرے مطمئن تھے کہ وہ اپنے اصولوں کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کے لئے رزق حلال کے لئے بھی کوشاں ہے۔ کبھی کبھی بھائی نور سے ''نظریاتی بحث'' ہوتی تھی۔ میرا فقط نظریہ کچھ یوں تھا کہ اگر ہم دیکھیں مارکس کا اپنا فلسفہ مارکسزم یا سوشلزم انسان کو کام کی ترغیب دیتا ہے۔ مارکس نے 1842 میں یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ کالون میں موسز ہس کے اخبار رینش زیٹنگ میں لکھنا شروع کیا، یہ اخبار جدید سوشلسٹ نظریات کی وجہ سے فرانس میں مقبول تھا، اس اخبار میں 10 ماہ لکھنے کے بعد ہیس نے مارکس کو چیف ایڈیٹر کے عہدہ کی پیشکش کر دی، اسی سال اکتوبر میں مارکس نے اخبار کی ادارت سنبھال لی۔

انہوں نے اخبارات و رسائل کے انتظامی معاملات چلانے کے ساتھ ساتھ مضامین لکھنے کا وسیع تجربہ حاصل کیا، مارکس نے نئے سیاسی معاشیات کے تصورات سے سائنسی سوشلزم کے نظریہ کو پیش کیا، جو تصوراتی سوشلزم سے ایک قدم آگے تھا، یوں وہ محنت کش طبقہ کا رہنما بن گیا۔ آج لوگ کامریڈ تو بن جاتے ہیں لیکن مارکس کی دن رات محنت کے فلسفے کو بھول جاتے ہیں۔

میرے خالہ زاد بھائی عرفان علی کو کوئی موزوں کام اب تک نہیں مل پایا جس کی

وجہ سے میں بہت فکرمند تھا۔ ابوظبی کی گرمی میں باہر لیبر کا کام کر کے وہ بیمار پڑ گیا تھا اس لئے ضروری تھا کہ اس کے لئے بھی کوئی انڈور کام ملے۔ اچھے کام کی تلاش ہر وقت رہتی تھی لیکن شاید اس کے نصیب میں ابھی نہیں تھا اس لئے عرفان نے خود مزید وقت خراب کئے کراچی جانے کا فیصلہ کیا۔

نانی اماں

پیار انسان کی فطرت میں شامل ایک جز ہے، بلکل اسی طرح جیسے سانس لینا، کھانا کھانا، پانی پینا، سونا جاگنا، انسانی فطرت کے جزو ہیں اور اسی لئے ہم ہر انسان سے بحیثیت انسان پیار کرتے ہیں، اسی طرح محبت بھی پیار ہی کی طرح کا ایک فطری جذبہ ہے مگر یہ پیار سے کچھ بڑا ہوتا ہے اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ صرف خاص اور دل کے قریب رہنے والوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔

مجھے میرے خاندان کے بزرگوں، نوجوانوں اور بچوں سے جو محبت اور پیار ملتا رہا ہے اسے ہمیشہ میں نے اپنی خوش بختی سمجھا، انہوں نے دکھ سکھ میں ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔ میری نانی اماں مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں۔ ان کی یہ دلی خواہش تھی کہ وہ ایک بار متحدہ عرب امارات آئے اور ہمارے ساتھ کچھ دن گزارے، وہ مجھ سے اور میری فیملی سے ملنے پہلی بار ابوظبی وزٹ پر آ رہی تھیں اس لئے ان کو لینے ہم سب ائرپورٹ گئے اور انہیں خوش آمدید کہا۔ نانی اماں سے ہم اکثر اپنے بچپن کے دنوں میں رات کو سونے سے پہلے کہانیاں سنتے تھے اور ان میں کچھ کہانیاں اب تک ہمیں یاد ہیں ان کہانیوں میں ہم بچوں کے لئے ایک سبق ہوتا تھا لیکن اس وقت ان کہانیوں کو ہم صرف پسند کی حد تک سنتے تھے جب ہم بڑے ہوئے اور ہماری زندگیوں میں ایسے دن آئے جن کا ذکر ان کہانیوں میں ہوتا تھا تب ہمیں احساس ہوا کہ یہ کہانیاں نہیں بلکہ آپ بیتیاں تھیں، اسی طرح اکثر اوقات ہمارے بزرگ ہمیں نصیحتیں کرتے ہیں جنہیں ہم اس وقت فضول قسم کی باتیں سمجھ کر ٹال دیتے ہیں لیکن ان تجربات سے یہ بات واضع ہو جاتی ہے کہ بزرگوں کی باتیں دراصل ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں یا ان ہی پر گزری ہوئی حقیقتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے ہمیشہ بزرگوں کی کہی ہوئی

باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

نانی اماں کے ابوظبی آنے سے گھر کی رونق بڑھ گئی تھی، ان سے ملنے ہمارے قریبی عزیز رشتہ دار ابوظبی، العین اور متحدہ عرب امارات کے تمام ریاستوں سے آ رہے تھے۔ بلوچوں میں ایک اچھی رسم یہ ہے کہ کسی کے مہمان کی آمد پر لوگ ان سے ملنے ضرور آتے ہیں اور ان سے مل کر انہیں اور اس گھر کے تمام افراد کو اپنے گھر مدعو کرتے ہیں۔

لیاری میں ہمارے خاندان کو میں ایک بڑا خاندان اس لئے تصور کرتا ہوں کیونکہ اب خاندان کا تصور ایک چھوٹے سے کنبہ تک محدود ہو چلا ہے جو میاں بیوی اور دو تین بچوں تک محدود ہے، لیکن ہم آج بھی پرانی روایات کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور خاندان کے افراد اپنے دکھ اور سکھ میں اس طرح شریک ہوتے ہیں کہ ایک دوسرے سے الگ نظر نہیں آتے۔

اگر ہم خاندان کے بارے میں تاریخ کا مطالعہ کریں تو سماج میں خاندان کو بنیادی اکائی خیال کیا جاتا رہا ہے۔ دنیا میں خاندان کی اتنی اقسام رہی ہیں کہ کسی واحد تعریف کے ذریعہ خاندان کو الفاظ کے بندشوں میں محدود کرنا مشکل ہے۔ عام طور سے خاندان سے مراد شادی شدہ مرد اور عورت اور ان کی اولاد کا مختصر ترین گروہ ہے جو مشترکہ طور پر ایک گھر میں رہتے اور گزر بسر کرتے ہیں۔ یہ تعریف اس لئے محدود ہے کہ مشرقی تہذیب میں شادی شدہ جوڑوں کے والدین اور دیگر قریبی عزیز بھی عام طور سے ایک ساتھ رہتے آئے ہیں۔ اس قسم کے خاندان کو ہم جوائنٹ فیملی کہتے ہیں، یہ خاندان چھوٹی چھوٹی اکائیوں سے بننے والا مشترکہ معیشیت اور باہمی تحفظ کے اساس پر قائم ہوتا ہے۔ لیکن جب سے زرعی سماج ختم ہو کر صنعتی سماج کے دور میں داخل ہوا ہے تو یہ مشترکہ خاندانی نظام اب شہروں میں آہستہ آہستہ مختصر اکائیوں میں ٹوٹ گیا ہے لیکن بڑے خاندان کا تصور اب بھی گاؤں، دیہاتوں اور قصبوں میں باقی ہے۔

باب۔۳۸

زندگی میں اعتماد کی اہمیت

اعتماد کی فضا میں کام کرنا، اچھے اور پر اعتماد لوگوں کی صحبت میں رہ کر خود اعتمادی کی ایک جھلک سی میرے اندر بھی پیدا ہو گئی تھی، اپنے بینک کا کام ہو یا زندگی کے مشکلات ہوں وہ میں خود اعتمادی سے سرانجام دینے لگا تھا۔ یہ ایسی عادت ہے جس پر قائم رہنا ہر انسان کو کامیابی کی منزل کی طرف ہمیشہ گامزن کرتا ہے۔ چیزوں کا چناؤ ہماری زندگی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ایک تحقیق کے مطابق انسان میں اپنے جذبات اور نظریات کو قابو کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے اندر ذاتی طور پر خود اعتمادی بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ اس تحقیق کے مطابق جب انسانوں میں خود اعتمادی آتی ہے تو ان کے اندر جو خود کو آگے بڑھانے کی صلاحیتیں ہیں ابھر کر سامنے آجاتی ہیں اور زندگی کے ہر مشکل کا وہ ڈٹ کر سامنا بھی کرتے ہیں۔

انسان کی سوچ ہمیشہ لچکدار ہونی چاہیے، اگر آپ اپنی سوچ کو محدود کر لیں گے اور بس یہی سوچیں گے کہ آپ اس کام کو بہتر نہیں کر سکتے یا آپ کی خود اعتمادی سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو رہا تو اس طرح کی منفی سوچ کے ساتھ آپ کبھی بھی اپنے اندر خود اعتمادی پیدا نہیں کر سکیں گے۔

اس کے برعکس اگر ہم ایسی سوچ کے بارے میں بات کریں جو لچکدار ہو تو ایسی سوچ کا حامل انسان مشکلات کا سامنا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر مشکل حالات کا سامنا کرنے کو اپنی نشونما سمجھتا ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں آپ میں بھی خود اعتمادی آجائے تو سب سے پہلے ناکامی کو سمجھنے کی کوشش کیجیئے۔ رائٹ برادرز جہاز اڑانے میں کامیاب ہونے سے قبل متعدد بار ناکام ہوئے تھے۔اس بات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بجائے اس کے کہ اپنی ناکامی سے مایوس ہوں، اس ناکامی کی وجہ تلاش کر کے اسے بہتر کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ اپنے آپ کو کسی دوسرے کی جگہ پر رکھ کر کبھی نہ سوچیں۔کسی دوسرے کی کامیابی یا ناکامی سے کبھی بھی اپنا موازنہ مت کیجیئے، بلکہ دوسرے کی کامیابی کو سراہ کر آپ کے پاس جو کچھ ہے اس سے کامیابی کے راستے تلاش کیجیئے۔اگر آپ اپنے کو پر اعتماد دیکھنا چاہتے ہیں تو منفی سوچ سے دور رہیں ہمیشہ یہ سوچیں کہ آپ سب کچھ کر سکتے ہیں، آپ میں تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں، ایسا کرنے سے آپ اپنی خود اعتمادی کو بڑھا سکتے ہیں۔

میری چھٹیوں کے دوران میری جگہ ایک اور آفیسر فرائض انجام دے رہے تھے، جتنے معاوضہ کے اکاؤنٹس اور ان معاوضات کی فائلیں سب ان کی تحویل میں تھیں۔میرے آنے کے بعد انہوں نے چارج مجھے واپس کیا تھا۔لیکن ایک چھوٹ یہاں یہ ہوئی میری غیر حاضری (چھٹیوں) کے دوران تین معاوضہ کے اکاؤنٹس سے رقم بغیر میونسپلٹی کے آرڈر لیٹر کے نکلے تھے، جس پر مجھے تشویش ہوئی۔اس دوران ہماری برانچ کے CD انچارج کا بھی میری چھٹیوں میں ہی کراچی ٹرانسفر ہوا تھا اس لئے یہ بات بہت ہی گھمبیر تھی۔میں نے اس سلسلہ میں اپنے منیجر سے جا کر ملاقات کی اور انہیں ان تمام مسائل پر بریفنگ دی تا کہ مسئلہ کو احسن طریقہ سے حل کیا جائے، منیجر بضد تھے کہ اس بات کو زونل آفس کے علم میں لانا چاہیے لیکن میری سوچ مثبت تھی کہ اگر اس بات کو اوپر لے جائیں گے تو برانچ کی بے عزتی کے ساتھ ساتھ اس آفیسر کے لئے بھی مسائل پیدا ہو جائیں گے جو میری غیر موجودگی میں

میری سیٹ پر کام کر رہا تھا، اس لئے میں نے اپنے منیجر کو سمجھا بجھا کر اس بات پر راضی کیا کہ پہلے ہم دونوں مل کر اس مسئلہ کو حل کرتے ہیں اور اس سلسلہ میں برانچ میں بھی کسی سے بات نہ کی جائے بلکہ ہم دونوں جا کر ان کلائنٹس سے ملیں گے جنہوں نے رقم نکلوائی ہے اور ان پر زور دیں گے کہ یہ آپ نے جو رقم نکالی ہے اسے ہم آپ کے نام پر قرضہ منظور کرا کر آپ کے معاوضہ کی رقم کو اس سطح پر رکھیں گے جو میونسپلٹی نے ہمیں دی تھی۔اور آپ کا یہ قرضہ آپ کے ماہانہ منافع جو معاوضہ اکاؤنٹ سے آپ کو حاصل ہوتا ہے اس سے ہم اس قرضہ والے اکاؤنٹ کو ایڈجسٹ کریں گے۔

اس خود اعتمادی کے ساتھ میں اور برانچ منیجر نے ان تینوں کلائنٹس سے ان کی رہائشگاہ پر جا کر ملاقات کی۔عرب مہمان نواز ہوتے ہیں وہ ہم دونوں کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے لیکن یہ گلہ انہوں نے ضرور کیا کہ معاوضہ کے دنوں میں آپ لوگ رات دن یہاں آتے تھے لیکن معاوضہ ملنے کے بعد آج پہلی بار آئے ہو۔انہوں نے مہمان نوازی میں کوئی کثر نہیں چھوڑی ہم نے کھانے کے دوران ہی ان سے کنفرم کرایا کہ وہ میری غیر موجودگی میں آئے تھے اور انہوں نے رقم نکالی تھی۔لیکن ان کا کہنا تھا کہ انہوں نے قرضہ کی بات کی تھی، ہمیں اس بات کا علم نہیں انہوں نے کس مد سے نکال کر پے منٹ کی تھی۔البتہ اس رقم کا چیک ہم سے انہوں نے دستخط کرائے تھے۔میں نے تینوں پارٹیوں کو دوسرے دن بینک آنے کا کہا اور ہم وہاں سے روانہ ہوئے۔

منیجر کو ایک سکون سا ملا اور وہ میری خود اعتمادی اور اس مسئلہ کے آسان حل پر بہت خوش ہوئے۔دوسرے دن تینوں اکاؤنٹس ہولڈر سے میں نے قرضہ کے کاغذات دستخط کرا کر منظوری کے لئے زونل آفس بھیجا اور منظوری آنے کے بعد ان کے معاوضہ

اکاؤنٹ میں یہ رقم جمع کرادی۔

کچھ مشکلات ایسے ہوتے ہیں جنہیں حل کرنے کے لئے انسان کے اپنے اندر اعتماد کا ہونا بہت ضروری ہے اور یہ ایسے نازک فیصلہ ہوتے ہیں جو خود اعتمادی سے ہی کئے جاسکتے ہیں۔

میں نے اپنی پوری زندگی میں جس وجہ سے عزت و احترام اور مقبولیت پائی ہے۔آپ ضرور تجسس میں ہوں گے کہ میں اس کے بارے میں آپ کو بتاؤں۔میری زندگی سادگی اور میانہ روی کے دائرے میں ہمیشہ رواں رہی ہے۔اسی سادہ زندگی میں مجھے ہر مشکل کو حل کرنے کی صلاحیت اللہ تعالی نے دی اور مجھے ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار کیا۔سادگی سے میری مراد زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جس میں حیثیت سے بڑھ کر نہ اپنے لئے مشکلات پیدا کئے جائیں اور نہ ہی دوسرے کے لئے مشکل کا باعث بنا جائے۔تصنع،تکلف اور خودنمائی سے اجتناب سادگی کا دوسرا نام ہے۔

اس دنیا میں انسان اپنے لئے طرز زندگی کا تعین خود ہی کرتا ہے اور ان ہی اصولوں پر چل کر کامیاب یا ناکام رہتا ہے۔ایک کامیاب زندگی کے لئے ہمیں اپنی زندگی میں میانہ روی اور سادہ طرز زندگی اپنانا چاہیے۔سادگی ماحول میں آسودگی اور دلوں میں خوشی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔اگر ہم صحتمند زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور اپنے معاشی اور معاشرتی مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ہر حالت میں قناعت اور سادگی کو اختیار کرنا ہوگا اور اسی میں ہمارے مسائل کا حل مضمر ہے۔

ہمارے اس معاشرہ میں غمی اور خوشی کو انتہائی مشکل اور دشوار بنا دیا گیا ہے۔خوشی کے مواقع پر خودسر بن جانا اور غمی کے موقع پر آپے سے باہر ہوجانا اس امت کی گھٹی میں پڑا

ہوا ہے۔بے جا اصراف کو ناک کا مسئلہ بنالیا گیا ہے۔امراء طبقہ تو یہ تمام تقاضے پورے کر سکتا ہے لیکن غریب بھی اسی معاشرہ کا حصہ ہے اس کا بھی جی چاہتا ہے کہ وہ بھی برادری میں ناک اونچی کرے لیکن ان رسم ورواج نے اس کو آزمائش میں ڈال رکھا ہے۔

دراصل قوموں کی ترقی کا دار و مدار اخراجات پر ہوتا ہے،آمدن اور خرچ میں توازن کے بغیر معاملات کی انجام دہی ناممکن ہے۔اقوام کی تقدیر میں نمود ونمائش زہر قاتل کی حیثیت رکھتی ہے۔جب بھی کوئی قوم برتری کے زعم میں حکومت کے خزانوں کو لٹانا شروع کر دیتی ہے تو جلد ہی ملک وملت پر بوجھ بڑھنا شروع ہوجاتا ہے۔قرضوں کے بارگراں سے بلآخر قومی وقار ملیامیٹ ہوجاتا ہے۔لیکن دوسری جانب سادگی کی بدولت ملک وملت کو وقار،ترقی وخوش حالی نصیب ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں مہاتما گاندھی کا ایک قول مشہور ہے کہ ''میں سادگی کی مثال کے لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام پیش کرتا ہوں کہ وہ بہت بڑی سلطنت کے حکمران تھے لیکن انہوں نے اپنی زندگی سادہ اور فقیروں والی گزاری ہے''۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارا دین اسلام سادگی اور میانہ روی کا درس دیتا ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے آپ اپنے حقوق العباد سے جی چرائیں اور اپنے والدین، بہنوں، بھائیوں اور عزیزوں رشتہ داروں کی مدد نہ کریں اور سادگی اختیار کر کے دولت بچا کر صرف اپنے لئے جائیدادیں،دکانیں اور بینک بیلنس بنائیں۔

میں نے پردیس میں رہ کر اپنے اور اپنے بچوں کے لئے محنت کر کے کراچی میں اپنا گھر بنایا، چابہار سٹی صوبہ سیستان بلوچستان ایران میں ایک زمین خریدی اس وقت

زمینوں کی قیمتیں مناسب تھیں اسلئے زمین خرید کر پیسے وہاں Invest کئے۔ تا کہ مستقبل میں یہ ایرانی بندرگاہ ترقی کرے گا تو یہاں زمین کی قیمت کئی گنا زیادہ ہوجائے گی۔

سادہ زندگی بسر کر کے میں نے جو پیسے بچائے وہ اچھے کاموں پر خرچ کیا جو مجھ پر میرے دین نے فرض کئے ہیں۔ اسلئے آج جب میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو اپنے آپ کو پرسکون اور مطمئن پاتا ہوں۔ کیونکہ میں نے حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھا۔

باب۔۳۹

زندگی رواں دواں

الحمدللہ بچوں کی تعلیم کا سلسلہ خوش اسلوبی سے جاری تھا عبدالحفیظ سکینڈری اور عبدالحسیب و مریم پرائمری میں پڑھ رہے تھے اور ہر سال تینوں اچھے نمبروں سے پاس ہو رہے تھے۔ ایسی صورتحال میں اب ہمارا ہر سال کراچی چھٹیوں پر آنا جانا رک سا گیا تھا۔ اس لئے ہم نے سوچا کچھ بچت کر کے بچوں کے مستقبل کے لئے کراچی میں بھی انویسٹمنٹ کریں تا کہ ان بچوں کی آگے کی تعلیم، شادی اور گھر بار کے لئے یہ بچت کام آسکیں۔ اسی لئے میں نے کراچی لیاری ٹاؤن کے ایک کاروباری علاقہ میں ایک شاپنگ پلازہ میں دو دکانیں بک کرائیں۔ اور ان کی ادائیگی آسان قسطوں میں کرتا رہا۔

میں نے عروس البلاد ابوظہبی میں جو متحدہ عرب امارات کا دارالخلافہ اور خوبصورت ترین شہر ہے اپنی زندگی کے قیمتی اور خوبصورت ترین دن گزارے۔ ان دنوں میں میں نے اپنی بینکنگ سروس کے دوران یہاں پر رہنے والے پاکستانیوں کے دلوں میں اپنے پیارے وطن کے لئے محبت کا جو جذبہ دیکھا وہ میں بیان نہیں کرسکتا، صرف ان کی وطن کے لئے ایک خدمت کا ذکر کروں گا، وہ ہر ماہ کے شروع کے دس دنوں میں بینک ڈرافٹ، ٹیلکس ٹرانسفر کے ذریعہ زرمبادلہ پاکستان ٹرانسفر کرتے تھے جس سے ملک کے زرمبادلہ میں اضافہ ہوتا تھا۔ ان کی یہ ایک چھوٹی سی خدمت ملک کے اقتصادیت کے لئے ایک درخشاں باب بنی ہوئی تھی۔

پاکستان کی معیشیت میں ترسیلات زر کا ذریعہ ہمیشہ سے بہت اہم رہا ہے۔ ہر سال بڑی تعداد میں پاکستانی بیرونی ممالک سے رقوم بھیجتے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں یہ

پاکستانی قانونی ذرائع سے ہر سال جو پیسے بھیجتے ہیں اس پیسہ سے کاروبار اور معاشی ترقی میں اضافہ ہوتا ہے۔ عالمی بینک کی سالانہ رپورٹوں کے مطابق دنیا میں بیرون ملک سے اپنے ملک پیسے بھیجنے والے ان 10 ممالک میں پاکستان ہمیشہ شامل رہا ہے۔ ہمارے ملک کی معیشیت کو بہت حد تک سہارا ان ہی رقوم سے ملتا ہے۔

پاکستان میں ترسیلات زر کی صورت حال برآمدات کی غیر یقینی صورتحال اور عالمی مالیاتی بحران کے باوجود بڑھتی رہی ہے۔ پاکستان کو قدرت نے بے بہا وسائل اور بہت زیادہ افرادی قوت سے نوازا ہے مگر یہاں مسئلہ مالی وسائل کی قلت کا ہے، بے روزگاری کی سطح بلند ہے، اسی لئے اضافی افرادی قوت کے لئے روزگار ہی دستیاب نہیں ہے۔ اس لئے ہماری یہ افرادی قوت ان عرب ممالک کے کام آجاتی ہے اور ہمیں اپنی بیرونی ادائیگیوں کے لئے فارن کرنسی میسر ہو جاتی ہے، اس سے ہمیں توازن ادائیگی میں بہت مدد ملتی ہے، لیکن ترسیلات زر کے حوالہ سے ماہرین معاشیات کا خیال ہے کہ بیرون ملک سے آنے والی ترسیلات افراط زر میں اضافہ کا موجب ہوتی ہیں کیونکہ ان سے ملک میں موجود اشیاء میں اضافہ نہیں ہوتا بلکہ موجودہ اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اس سے غریبوں کو مہنگائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پردیس میں اپنوں سے دور رہ کر اپنے بہت یاد آتے تھے ان سے ملاقات کا ایک ذریعہ ٹیلی فون ہوتا تھا اور ہم اپنے ان پیاروں سے اکثر ٹیلی فون پر فیملی اور کراچی کے بارے میں ہمیشہ بات کرتے رہتے تھے۔

کراچی جہاں میری پیدائش ہوئی اس کی محبت ہمیشہ میرے دل میں موجزن رہتی تھی۔ آج کراچی سے میرے ماموں رمضان بلوچ کا فون آیا اور انہوں نے ہمیں خوشی

کی خبر سنائی اس کو سن کر پہلے تو مجھے یقین نہیں آیا لیکن اپنی خوشی کے جذبات کو قابو میں رکھتے ہوئے ان کے ابوظہبی وزٹ کرنے کی خوشخبری پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ ان کے ابوظہبی آنے سے ہمیں بے حد خوشی حاصل ہوئی ہم سب انہیں لینے کے لئے ائرپورٹ گئے، ان کی آمد سے گھر کی رونقیں اک بار پھر بحال ہوئیں۔ ماموں کی شخصیت اور ان کی زندگی پر اگر ہم بات کریں تو وہ ایک گلدستہ کی مانند ہیں ان کی خوبیوں کے پھولوں کی خوشبو سے ہمارا پورا معاشرہ مہک اٹھتا ہے۔

ماموں رمضان بلوچ کی زندگی کے سفر کو ان کی کتاب ''لیاری کی ان کہی کہانی'' میں دیکھیں تو ان کی آپ بیتی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ مشکل حالات میں اگر درد تکلیفیں ہیں تو وہ عارضی وقت کے لئے ہیں مستقل یہاں آپ کا یقین آپکا کردار رہتا ہے۔ اس لئے یہاں پردیس میں رہ کر میں نے ان کو اپنا آئیڈیل بنا کر ہمیشہ مشکلات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور رب پاک کی ذات پر یقین کامل رکھ کر میں نے دن رات محنت کی میں بہت خوش تھا وہ ابوظہبی آئے اور مجھے عزت بخشی۔ ان کی یہاں تشریف آواری پر میرے دوست احباب اور بینک کے افسران نے بھی ان کے اعزاز میں ایک عشایہ کا اہتمام کیا اور ان کی شخصیت کے پہلوؤں کے بارے میں جب انہیں پتا چلا تو وہ ان کے فلسفہ حیات سے قدرے متاثر لگ رہے تھے۔ ماموں ابوظہبی میں سیر و سیاحت کی غرض سے آئے تھے اس لئے میں نے بینک سے ایک ہفتہ کی چھٹی لے کر انہیں العین، دبئی، شارجہ اور پورے امارات کی سیر کرائی۔ وہ یہاں کے بلدیاتی امور دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ یہاں کی حکومت جس جذبہ سے عوام کے بنیادی حقوق کی پاسداری کر رہی ہے وہ ایک ترقی یافتہ ملک کی نشاندہی کرتی ہے۔

یہاں کے بلند و بالا عمارتوں، سیاحتی مقامات، ساحل سمندر اور پارکوں کی

خوبصورتی اور سہولیات زندگی جن میں ٹیلی فون ٹیکسی، گورنمنٹ بسوں اور سمندر میں سیر کے لئے بڑی چھوٹی کشتیوں کے جھرمٹ نے انہیں قدرے متاثر کیا۔

ملکوں کی ترقی ہو یا کسی ایک فرد کی اپنی زندگی میں کامیابی اس کے لئے یقین کامل کا ہونا بہت ضروری ہے۔ انسانوں کو اپنی منزل کی تصویر کشی کرنے کے لئے یقین جیسے مضبوط قدر کے علاوہ کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جیسا کہ ایک مصنف کو اپنے قلم کی طاقت پر یقین نہیں یا اسے یقین نہیں کہ وہ ایک اچھا قلمکار کبھی بن سکتا ہے تو وہ یقیناً کبھی ایک اچھا اور ماہر مصنف نہیں بن سکتا، ایک سائنسدان جسے خود پر اعتماد نہیں، اپنی صلاحیتوں پر یقین نہیں، وہ کبھی کچھ بھی ایجاد نہیں کرسکتا۔ اسی طرح ایک تحقیق دان جسے اپنی قابلیت پر بھروسہ نہیں وہ کبھی کچھ دریافت نہیں کرسکتا۔

یہ یقین کامل کی طاقت ہے جس نے انسان کو ہوا میں اڑنا سکھایا، بنا ڈوبے پانی کی سطح پر سفر کرنا سکھایا، یقین ہی کی طاقت سے لوگوں نے چاند پر قدم رکھا اور ترقی کی راہوں پر جو بھی شخص آج گامزن ہے وہ صرف یقین کامل، خود اعتمادی، اور اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کی بدولت ہے۔

اگر آپ کسی بھی کامیاب انسان کی مثال لیں اس نے پہلے پہل ہمیشہ اپنی منزل کو اپنی ذات سے آشنا کروایا اور اس کے حصول کے لئے جان لڑادی۔ آگے بڑھتے رہنے کی خواہش انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اس کی تکمیل کے دو طریقے ہیں، ایک یہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے کسی کو پھلانگ کر آگے نکل جائیں یا خود کو اگلے سے بہتر یا زیادہ قابل سمجھ کر الجھ جائیں جبکہ اس میں آپ کا کوئی فائدہ نہیں ایسے میں انسان بڑا نہیں بن جاتا اور نہ ہی دوسرے سے افضل، بلکہ اپنا وقار اور کردار گنوا دیتا ہے۔ اور دوسرا طریقہ یہ

ہے کہ بغیر کسی سے الجھے اپنی مثبت صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرتے ہوئے اور یقین کامل کے ساتھ آگے بڑھے۔ یہ طریقہ فرد کے لئے بھی بہتر ہے اور زندہ قوموں کے لئے بھی مشعل راہ ہے۔

انسان کو اپنی زندگی میں کبھی کسی بھی معاملات میں ہار نہیں ماننی چاہیے کیونکہ زندگی کا نام ہی جدوجہد ہے اور اس میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو اپنی منزل کو اپنی ذات سے فتح کرتا ہے۔ کیونکہ یہاں کامیابی کبھی مستقل نہیں ہوتی اور ناکامی کبھی آخری نہیں ہوتی اس لئے زندگی میں ہار مت مانو کیونکہ ہماری زندگی میں کچھ بھی پانے اور کھونے کا انحصار ہمارے یقین پر ہے۔

ایک منظم معاشرہ

ہر معاشرے کی طرح عرب معاشرہ میں بھی اچھائیاں اور برائیاں موجود ہیں لیکن یہاں اچھائی کا تناسب زیادہ ہے جس کی وجہ سے برائیاں دب جاتی ہیں اور ہم جب اس معاشرہ کو اجتماعی طور پر دیکھتے ہیں تو یہ ہمیں ایک بہترین معاشرہ نظر آتا ہے، متحدہ عرب امارات میں بھی بہت اچھائیوں کے ساتھ ساتھ کچھ برائیاں ضرور تھیں لیکن یہاں کے حکمرانوں کی سختگیر پالیسیوں کی وجہ سے یہاں کے عوام بلخصوص بیرون ملک سے آنے والے ورکرز یا سیاح یہاں کے قوانین کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔

وزٹ پر آئے ہوئے ہمارے ماموں صاحب شہری ضابطہ کی عملداری اور یہاں کی منظم معاشرتی زندگی سے قدرے متاثر تھے اور ایسے ہی اصلاحی نظام کو پاکستان کے لئے ضروری قرار دیتے تھے۔انہوں نے یہاں کے تاریخی مقامات اور العین شہر کی Greenery اور جبل حفیت کی جمالیات کی تعریف کی وہ دس دن یہاں رہ کر واپس کراچی چلے گئے لیکن ان کے ساتھ گزرے خوشگوار لمحات ہمیشہ یاد رہینگے۔

معاشرے کا کردار کسی بھی ملک اور قوم کے لئے اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔معاشرہ ایک ایسی بنیاد ہے جس پر ممالک اور اقوام کی خوشحالی اور فلاح و بہبود کا انحصار ہوتا ہے۔اس دنیا میں کسی بھی ملک اور قوم کو ایک اچھا اور بہترین معاشرہ نصیب ہو، تو خوش حالی اور فلاح و بہبود اس کا مقدر بن جاتی ہیں۔

اس کے برعکس کسی بھی ملک یا قوم کا معاشرہ بگاڑ کا شکار ہوتا ہے تو وہ خوش حالی اور فلاح و بہبود جیسی نعمتوں سے کوسوں دور چلی جاتی ہیں۔آج جب ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ مجموعی لحاظ سے خرابی اور بگاڑ کا شکار ہے۔جھوٹ، بد دیانتی، بدعنوانی، قتل و

غارت، لوٹ مار، لسانیت، عصبیت، لڑائی جھگڑے وغیرہ یہ سب وہ خرابیاں ہیں جو ہمارے معاشرے کے لئے ناسور بن چکی ہیں۔اور ان ہی کی وجہ سے آج ہمارا ملک اور معاشرہ جس زبوں حالی کا شکار ہے وہ ہم سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس سے ہم بحیثیت ایک قوم بہ خوبی واقف بھی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ ''معاشرہ بہت خراب ہو چکا ہے'' جیسے جملے ہمیں اکثر اوقات اپنے اردگرد کے ماحول میں سننے کو ملتے ہیں، لیکن المیہ یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح کی جانب کوئی توجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ دراصل اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک بہت بڑا طبقہ معاشرے کی حقیقت ہی سے واقف نہیں ہے یا اس جانب اس کی توجہ نہیں ہے۔اس لئے معاشرے کی حقیقت کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔

معاشرہ بنیادی طور پر افراد کے اجتماع کو کہا جاتا ہے۔کسی بھی جگہ ایک ساتھ رہنے والوں کو مجموعی لحاظ سے معاشرہ کہا جاتا ہے۔گویا معاشرہ دراصل افراد کا نام ہے۔ پس جب معاشرہ افراد سے بنتا ہے تو اس لحاظ سے اس کی اصلاح و بگاڑ کا دارومدار بھی افراد کی اصلاح و بگاڑ پر ہے۔اس لئے معاشرہ کی اصلاح کے لئے فرد کی اصلاح بہت ضروری ہے۔لیکن ہمارے یہاں یہ ہوتا ہے کہ فرد معاشرے کو برا بھلا کہنا تو ضروری سمجھتا ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا کہ وہ خود بھی اس معاشرے کا حصہ ہے اور معاشرے کی اصلاح کے لئے خود اس کا بھی انفرادی اور اجتماعی لحاظ سے کردار ادا کرنا بہت ضروری ہے۔

اگر معاشرہ بگاڑ کا شکار ہے تو وہ خود اس سے بری الذمہ ہرگز نہیں ہے۔معاشرہ کی اصلاح کے لئے اس بنیادی سوچ کا بحیثیت قوم ہمارے اندر پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ یہی سوچ انشاءاللہ تعالی معاشرے کی اصلاح میں ایک کلیدی کردار ادا کرے گی۔

زندگی کے ۲۰ سال

میں اپنے بچوں کے ساتھ یہاں ایک اچھی زندگی خوشی سے گزار رہا تھا لیکن عبدالحفیظ کے بارے میں ہمیں یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ اس کی عمر اس کے تعلیمی میدان میں حائل نہ ہو کیونکہ یہاں کے قانون کے مطابق 18 سال کی عمر تک پہنچنے پر بچہ کا نام والدین کے ویزہ سے نکال دیا جاتا ہے اور اس کے لئے کسی فرم یا وہاں کے کسی شیخ سے کام کا ویزہ لینا ضروری تھا۔ اس لئے اس سلسلہ میں ہم نے مشاورت کی کہ فیملی کو 1998 کی چھٹیوں پر کراچی مستقل بھیجا جائے جہاں وہ اپنے نئے گھر میں رہیں اور بچوں کو اچھے اسکولوں میں داخلہ دلائیں۔ اس لئے گرمیوں کی چھٹیوں سے پہلے جب ان کا تعلیمی سال ختم ہوا تو میں نے ان کے Leaving Certifacte حاصل کئے اور فیملی کو کراچی روانہ کیا اس وعدہ کے ساتھ آجایا کروں گا۔

میں نے پردیس میں رہ کر اپنی زندگی کے تقریباً 20 سال بہترین انداز میں گزارے، ان سالوں میں مجھے بینکنگ کی سروس کے دوران بہت زیادہ پیار اور عزت ملا، جس پر میں اپنے رب کا جتنا شکریہ ادا کروں وہ کم ہے۔

بینکنگ کے دوران اپنے سینئرز اور جونیئرز دونوں کو میں نے عزت و احترام دیا اور کوشش کی اپنے کام سے کام رکھوں اس لئے میری اس عادت کی وجہ سے مجھے یہاں پر جو مقبولیت حاصل ہوئی اور میرے لئے ترقی کے جو دروازہ کھلے وہ کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ ایک میسینجر سے آفیسر گریڈ 2 کا سفر کافی مشکل ہوتا ہے لیکن میں نے زندگی کے سفر کو صبر، برداشت اور حوصلہ سے طے کیا۔ اور اپنے بینک اور وطن کے لئے روز بہ روز نئے

اکاؤنٹس اور ڈپازٹ لانے کی جدوجہد کی تاکہ بینک کو فائدہ ہو اور اس کے ثمرات میرے وطن کو ملیں۔

زندگی ایک کتاب کی مانند ہے اور ہم وقت کے کورے کاغذ پر اپنی خوشیوں اور غموں کی سیاہی سے لمحہ بہ لمحہ احوال درج کرتے ہیں۔ اگر اس کتاب زیست میں ہمیں خوشگوار زندگی رقم کرنی ہے تو کچھ ایسے سنہری باتوں کو گانٹھ کر باندھ رکھیں، جو نوع انسان کے تجربات اور علم و دانش سے حاصل ہوئی ہیں۔ ایسے ہی چند رموز و حیات پیش ہیں جو انسانوں کے تجربات کا حاصل ہیں۔

محبت!

محبت میں شدت بھی ہوتی ہے اور گہرائی بھی، شدت تو وقت کے ساتھ کم ہو جاتی ہے لیکن گہرائی بڑھتی جاتی ہے۔ کبھی آپ نے پرانی محبتیں دیکھی ہیں؟ ماں باپ کی آپس میں محبت، بوڑھے والدین کی جوان اولاد سے محبت، پرانے دوستوں کی بڑھاپے میں محبت۔ یہ پرانی محبتیں ہوتی ہیں ان میں شدت نہیں ہوتی لیکن یہ گہرے رشتے ہوتے ہیں کبھی یہ ٹوٹتے نہیں اور جو محبت میں شدت برقرار رکھنے کا غیر فطری تقاضہ کرے گا وہ رشتے بکھر جاتے ہیں۔ اسلئے زندگی میں کسی پر احسان کرنے کے بعد اسے اپنی فرمانبرداری کی نکیل نہ ڈالیں، اس کے پاؤں میں اپنی وفاداری کی زنجیر نہ ڈالیں، اس سے اپنی مخالفت کا حق مت چھینیں ورنہ تم نیکی کی قیمت وصول کرنے والوں اور نیکی کے ذریعے انسانوں کو خریدنے والوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ نیکی کر کے اسے آزاد چھوڑ دو، جیسے اللہ تعالی نے اپنے لاکھ احسانات کے باوجود ہمیں ہر طرح کی اچھائی اور برائی کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ ہر سانس عافیت ہے۔ اور اس پرفتنہ دور میں عافیت سے بڑھ کر کوئی مقام شکر نہیں ہے۔ پس

اس کا شکر ادا کرو جو شکر ادا کرنے والوں کو مزید عطا کرتا ہے۔

وقت سے ہمیشہ ڈرنا چاہیے، وقت کی قدر ہر انسان نہیں کرتا جو صبر اور برداشت کو اپنالے۔ ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے جو کم لوگ کرتے ہیں۔ بطور انسان اس کی اوقات یہ ہے کہ تمہارے ہونے یا نہ ہونے سے کتنے انسانوں کو فرق پڑتا ہے۔ اوقات مثبت بھی ہوتی ہے اور منفی بھی ہوتی ہے۔ مثبت اوقات یہ ہے کہ آپ کے ہونے سے کتنے انسانوں کا فائدہ ہوتا ہے اور تمہارے نہ ہونے کی وجہ سے کتنے لوگوں کا نقصان ہوتا ہے۔ جبکہ منفی اوقات یہ ہے کہ تمہارے نہ ہونے سے کتنے لوگوں کا فائدہ ہوتا ہے اور اسی طرح تمہارے ہونے سے کتنے انسانوں کا نقصان ہوتا ہے۔

یہ جاننے کے بعد ہم انسانوں کو اپنی اوقات کے بارے میں کوئی غلط فہمی یا خوش فہمی نہیں ہونی چاہیے۔ اوقات کا تعلق براہ راست انسانوں کے نفع ونقصان سے ہے۔ یاد رکھنا اس زندگی میں ہمارا سفر لامحدود نہیں ہے، ایک یقینی منزل ہماری منتظر ہے۔ اس تک نہ پہنچے تو وہ خود چل کر ہم تک پہنچ جائے گا اور وہ ہے موت۔ پیدائش کے بعد تو موت کا سفر شروع ہوجاتا ہے کیونکہ سفر کا عنوان ہمیشہ منزل کے نام سے منسوب ہوتا ہے۔ تمہاری منزل کچھ بھی ہو، تمہیں منزل کا شعور ہو نہ ہو، تمہارا سفر کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو، تمہارے سفر میں سہولتیں ہوں یا بہت ساری صعوبتیں، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ موت کا ایک دن مقرر ہے۔

میری فیملی کے مستقل طور پر کراچی جانے سے مجھے ان کی یاد تو بہت آتی تھی اور ان کی طرف سے میں فکرمند بھی رہنے لگا تھا لیکن میں اس بات سے مطمئن تھا کہ وہاں خاندان کے تمام لوگوں کی وجہ سے انہیں وہاں کوئی پریشانی نہیں ہوگی اور بچوں کے داخلے

اچھے اسکولوں میں ہوجائیں گے۔ نیا تعلیمی سال شروع ہونے سے قبل انہیں علامہ اقبال اسکول بہار کالونی میں داخلہ مل گیا یہ اسکول اپنے وقتوں میں تعلیم وتربیت اور اچھے ماحول کی وجہ سے لیاری میں ایک بہترین پرائیوٹ اسکول کی حیثیت سے مشہور تھا۔

ابوظہبی میں رہ کر میں نے اپنا زیادہ وقت اپنے بھائیوں اور قصر والے حاجی اللہ داد کے پاس جا کر گزارتا تھا یوں زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں تھی۔

❁❁

بینکنگ میں نئی ٹیکنولوجی

بینکنگ سیکٹر میں نیٹ اور کمپیوٹرز کی جدید سہولیات میسر آنے سے پرانا سسٹم آخری ہچکیاں لے رہا تھا اور بینک انتظامیہ نے بینک میں کام کرنے والے افرادی قوت کو کم کرنے اور ڈاؤن سائزنگ کا عمل شروع کیا تو اس کے ساتھ ساتھ ایک آفیسرز پر دو آفیسر جتنا کام کا لوڈ بڑھ گیا اور ضروری اسٹاف کے علاوہ باقیوں کو فارغ کر دیا گیا۔ ایسے حالات میں کام کرنا بڑا Risky تھا۔ اور اسے تسلسل کے ساتھ جاری رکھنا بہت بڑی بات تھی۔ اکاؤنٹس ڈپارٹمنٹ میں رہتے ہوئے میرا کام بڑھ گیا تھا تمام امور کو کمپیوٹرائز کرنا اور کمپیوٹرز کے ذریعہ تمام ریکارڈ کی جانچ پڑتال اور اسٹیٹمنٹس کو کمپوٹرز کے عمل سے گزارنا ایسے کام تھے جس میں تمام پیچیدگیوں کے باوجود بھی میں میدان عمل میں رہا۔

جیسے کہ پہلے بھی ذکر کر چکا ہوں امارات کی شہریت رکھنے والوں کو گورنمنٹ کی طرف سے ان کے مکانات کو گرانے کے عوض معاوضہ کی ایک بڑی رقم بینک کے توسط سے دی جاتی تھی تا کہ وہ گورنمنٹ کے دیئے گئے پلاٹس پر اپنے گھر کی تعمیر کریں، لہذا میرا بیشتر وقت ان معاوضات کے اکاؤنٹس کو کمپیوٹرائز کرنے تمام ریکارڈ کو ترتیب دینے کے ساتھ ساتھ بینک میں آنے والے تمام عربی کلائنٹس کو سروس فراہم کرنے میں گذرتا تھا، اور اس کے علاوہ اکثر شام کو منیجر کے ساتھ جا کر نئے اور پرانے کلائنٹس سے ملاقات کرنا بھی میری روزانہ کی زندگی کا معمول تھا۔

نیٹ اور ماڈرن کمپیوٹر نظام کے آنے سے تمام بینک ایک دوسرے سے منسلک ہونے لگے اور پے منٹ اور ڈپازٹ تمام بینکوں کے ATM یا Online سسٹم میں جا کر

اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرنے اور نکالنے کے ساتھ ساتھ ٹرانسفر کر سکتے تھے اس کے فوائد لوگوں کو بہت جلد ملنے لگے غرض سسٹم کے آنے سے کام میں تیزی آئی۔

ایک زمانہ ایسا بھی تھا حضرت انسان چاند، ستاروں، اور سیاروں کو حیرت سے دیکھا کرتا تھا اور پھر انسان نے اپنی خودی کو پہچانا اور عقل کے نور سے اس کے اندر شعور و آگاہی کی شمعیں فروزاں ہوگئیں۔ خودی کے نور نے انسان کو بلند پروازی، بلند خیالی اور بلند نظر عطا کی اور وہ چاند، ستاروں اور سیاروں کو چیرتا ہوا چراغ نیلی فام سے پرے اپنی منزل کی طرف بڑھنے لگا۔ انسان نے ایجادات کے انبار لگا دیئے اس نے محیر العقل چیزیں متعارف کر ڈالیں۔ ان چیزوں کی ایجاد نے اس کی زندگی کی بہت سے مشکلات کو آسانی میں تبدیل کر دیا۔ انٹرنیٹ اب ایک بڑا مواصلاتی نظام ہے جو پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے اس نظام کے ذریعہ وہ سب کمپیوٹر جن سے انٹرنیٹ نصب ہوا ہے آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ دنیا میں کسی بھی کونے میں رہنے والے لوگ نہ صرف ایک دوسرے سے رابطہ کر سکتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے مشاہدات، تجربات اور معلومات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس محیر العقل ایجاد کا بیج امریکہ میں بویا گیا۔ شروع میں انٹرنیٹ کے زریعہ یونیورسٹیوں کی تعلیم و تحقیقی ڈیٹا کا تبادلہ ہوتا تھا اور یہ جدید نظام امریکہ اور برطانیہ میں متعارف تھا۔ انٹرنیٹ پیغام رسائی کا جدید اور تیز ترین ذریعہ ہے۔

ایک زمانہ تھا جب پیغام رسانی کے لئے کبوتروں کی خدمات لی جاتی تھیں پھر گھوڑ سواروں کے ذریعہ یہ پیغامات پہنچائے جانے لگے۔ بعد ازاں محکمہ ڈاک قائم ہوا اور خطوط کے ذریعہ پیغامات ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچائے جانے لگے۔ اب ای میل کے ذریعہ دنیا سمٹ کر آپ کے گھر میں آ گئی ہے آپ کمپیوٹر پر خط لکھیئے اور اسے دنیا کے کسی بھی خطے

میں بھیج دیجئے آپ جس شخص کو ای میل کر رہے ہوں اسکا ای میل ایڈریس آپ کے پاس ہونا چاہیے۔ اسی طرح سے جدید انٹرنیٹ نے اب ماڈرن ٹیکنالوجی کے ساتھ بہت ایسی چیزیں متعارف کرائی ہیں جو انسان کے وہم وگمان میں نہیں تھیں۔

بینکنگ کے ساتھ ساتھ تعلیم کے فیلڈ میں بھی انٹرنیٹ نے ٹیل نیٹ کے ذریعہ دنیا کی کئی مشہور یونیورسیٹیوں میں جن میں آکسفورڈ اور ہارورڈ بھی شامل ہیں اس کے ذریعہ مختلف کورسز کا اجراء کیا ہے۔ اسی پروسیس میں ان کورسیز کے باقاعدہ امتحانات ہوتے ہیں اور ان امتحانات میں کامیاب ہونے والوں کو اسناد دیئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے اب تعلیمی نظام میں بھی ایک انقلاب آچکا ہے۔ علم کے خزانے جو آنکھوں سے اوجھل تھے اب ان خزانوں سے لوگ گھر بیٹھے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

آپ کہیں بھی رہتے ہوں تعلیم کے راستے میں سمندر، صحرا، جنگل اور ریگستان رکاوٹ نہیں بن سکتے۔ آپ انٹرنیٹ کے ذریعہ کسی بھی علمی میکدہ سے اپنا ساغر بھر سکتے ہیں۔ اب ذہنوں میں کشادگی آچکی ہے اور سوچیں وسیع ہو چکی ہیں۔ اب پوری دنیا ایک گلوبال ولیج کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ جس طرح دیگر ایجادات کے فوائد بھی ہیں اور نقصانات بھی، اسی طرح انٹرنیٹ کے فائدے بھی ہیں نقصانات بھی۔

اللہ تعالی نے ہر ذی شعور انسان کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ جو لوگ تعمیری سوچ رکھتے ہیں اور اپنی سوچ کو اعلیٰ مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ دنیا کے بازار ان لوگوں سے بھی بھرے ہوئے ہیں جو منفی سوچ کے مالک ہوتے ہیں اور بری چیزیں پسند کرتے ہیں اور ان ایجادات کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اب یہ ہر انسان پر منحصر ہے کہ اس نے ایجادات سے فائدہ اٹھانا ہے یا نقصان۔

باب۔ ۴۳

فلسفہ حیات

ہمیشہ سے انسانوں کی یہ کوشش رہی ہے کہ ایک آسودہ زندگی کے لئے جدوجہد کرے، اپنے کنبہ کو سکھ اور چین کی دولت سے مالا مال کرے اور اسی نسب العین پر چل کر اس کو ساری زندگی اپنا فلسفہ حیات بنائے رکھے۔ فلسفہ علم وآگہی کا علم ہے یہ ایک ہمہ گیر علم ہے جو وجود کے اغراض ومقاصد دریافت کرنے کی سعی کرتا ہے۔ افلاطون کے مطابق فلسفہ اشیاء کی ماہیت کے لازمی اور ابدی علم کا نام ہے۔ جبکہ ارسطو کے نزدیک فلسفہ کا مقصد یہ دریافت کرنا ہے کہ وجود اپنی فطرت میں کیا ہے۔ کانٹ اسے ادراک وتعقل کے انتقاد کا علم قرار دیتا ہے۔

فلسفہ کو ان معنوں میں ''ام العلوم'' کہہ سکتے ہیں کہ یہ موجودہ دور کے تقریبا تمام علوم کا منبع اور ماخذ ہے۔ ریاضی، علم طبیعات، علم کیمیا، علم منطق، علم نفسیات، معاشرتی علوم سب اسی فلسفے کے میرے رب کے عطا ہیں۔ ہر چیز کی حقیقت دیکھو بس یہی فلسفہ ہے مذہب کا تیل اگر فلسفے سے نکال دیں تو پھر فلسفہ بجھا ہوا چراغ ہے۔

روشنیوں کے شہر کراچی کا نظارہ بلندیوں سے خوبصورت لگتا ہے آجکل تو لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے وہ نظارے ختم ہو چکے ہیں لیکن جب 90s میں ہم کبھی شام کے وقت کی فلائٹ سے واپس لوٹتے تھے تو ہمیں اپنا شہر کراچی واقعی روشنیوں کا شہر لگتا تھا۔

بچوں کو کراچی بھیجتے وقت میں نے ایک وعدہ ان سے کیا تھا کہ ہر سال چھٹیوں پر 6 ماہ کے بعد آؤں گا۔ اس وعدہ کو وفا کرنے کا وقت آیا اور میں نے بینک سے 20 دن کی چھٹی لی اور کراچی پہنچا، اس بار مجھے لینے میرے بچے ائرپورٹ آئے تھے یہ ایک بہت ہی خوشی کا سماں تھا جب بہت دنوں بعد میں اپنوں سے بڑی گرمجوشی سے مل رہا تھا۔ بچوں کے

ساتھ ابوظبی میں اتنے عرصہ رہنے کی وجہ سے میں انہیں بہت یاد کرتا تھا اسی طرح وہ بھی مجھے Miss کر رہے تھے اس لئے میرے آنے پر جب وہ مجھ سے ملے تو ان کے ملے جلے جذبات آنسو بن کر ان کی آنکھوں سے رواں تھے اور انہوں نے مجھے بھی رلا دیا۔

اپنی سروس کے ان 20 سالوں میں مجھے اللہ تعالی نے اپنی تمام نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا، وہ بچوں کی شکل میں ہوں، یا گھر بار ہوں، دولت ہوں، علم و لیاقت اور عزت کی شکل میں ہوں۔ اللہ تعالی کی ان عنایتوں پر میں نے ہمیشہ اپنے رب کا شکر ادا کیا۔ میں نے زندگی میں کئی ایک سبق سیکھے مگر جس سبق نے میری زندگی بدل دی وہ ہے وقت پر ایسے چیزوں سے اپنی ''دستبرداری'' جس کی طلبگار دنیا ہمیشہ رہتی ہے۔

دل کی آواز کو بھی کبھی کبھار سن لیا کریں اور دنیا کی ہر شے سے دستبردار ہو جائیں سکون پالیں گے۔ یہ بات تو طے ہے کہ ہر انسان میں یہ چیز اس سطح پر موجود نہیں ہے لیکن جب جب ہم کسی چیز سے دستبردار ہوتے ہیں ہمیں اللہ تعالی اپنے غیب کے خزانہ سے نوازتا ہے اور ذہنی سکون مل جاتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے ہم ہر چیز کو اپنا سمجھ کر اس پر حق ملکیت جتانے لگتے ہیں بس یہیں سے بے سکونی کی ابتداء ہوتی ہے۔ ہم تو خود بھی اپنے نہیں پھر کوئی چیز ہماری ملکیت کیسے ہو سکتی ہے!!

ہماری تخلیق کا اصل مقصد بس اخلاص اور خلوص کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی ہونی چاہیے۔ اس لئے ان 20 دنوں کی چھٹیوں میں، میں نے اپنی فیملی کی مشاورت سے فیصلہ کیا کہ میں ابوظبی جا کر اپنی سروس سے مستعفی ہو جاؤں گا اور مستقل طور پر یہاں اپنے وطن آ کر اپنے بچوں، ماں، بہن بھائیوں کے سامنے رہ کر روزی روٹی جو میرے نصیب میں اللہ نے لکھی ہے وہ یہاں رہ کر محنت کر کے حاصل کروں گا۔ یہ ایک کھٹن فیصلہ تھا لیکن یہ فیصلہ میں نے بروقت سمجھ کر کیا۔

باب۔ ۴۴

زندگی کا کھٹن فیصلہ

اس بار میں نے اپنی چھٹیوں کو اپنی مختصر فیملی، والدہ ماجدہ اور خاندان کے بزرگوں اور نوجوانوں کے ساتھ ہنسی خوشی اور پیار و محبت کے ماحول میں گزارا اور ان کی مشاورت سے اپنی زندگی کے کھٹن فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے چھٹی کے یہ سنہرے دن گزار کر واپس رخت سفر باندھ کر ابوظبی شہر کے لئے روانہ ہوا۔

دوسرے دن میں نے بینک جوائن کیا اور چارج اپنے ماتحت آفیسر سے لیا اور ریکارڈ چیک کرنے کے بعد مطمئن تھا کہ اس بار میرے کراچی جانے پر انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ میں تقریبا ایک ہفتہ دل لگی سے کام کرتا رہا۔ ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد میں نے منیجر سے مل کر اپنی زندگی کے اہم فیصلہ یعنی استعفٰی دینے کا بتایا، جسے وہ سن کر ہکا بکا رہ گیا، اور مجھ سے اس کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ آپ تو یہاں ایک اچھی زندگی گزار رہے ہو اور ایک لوکل ہیڈ آفیسر ہونے کے ناطے آپکو یہ ڈر بھی نہیں کہ کبھی آپ کا ٹرانسفر کراچی ہوگا، اس لئے میری مانو تو ایسی غلطی مت کرنا اور ایسی اچھی پروقار جاب مت چھوڑنا۔ لیکن میں نے انہیں اپنی مجبوریاں بتائیں کہ میرے بچے اب بڑے ہو گئے ہیں، ان کی اچھی پرورش کے لئے میرا ان کے سامنے رہنا بہت ضروری ہے۔

وہ میرے اس مضبوط پوائنٹ کے سامنے خاموش رہا اور مجھ سے کہا میری خاطر آپ اپنے فیصلہ پر پھر سے سوچ بچار کریں کیونکہ آپ ہمارے بینک کے لئے ایک قیمتی اثاثہ ہو اور آپ کے جانے کے بعد ہم آپ کو بہت یاد کریں گے۔

انسان کو زندگی میں اکثر و بیشتر ایسے امور پیش آتے ہیں کہ جن میں وہ تذبذب کا

شکار ہوجاتا ہے۔ کرنے اور نہ کرنے کے دونوں پہلوؤں پر اس کی نظر ہوتی ہے، وہ سردست یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ موجودہ حالات میں اسے کیا کرنا چاہیے؟ کس رخ کو اختیار کرنے میں اس کی بھلائی اور ہدایت ہے؟ اور کس رخ کو اختیار کرنے سے نقصان ہے؟ کشمکش کی اس صورتحال میں شریعت نے ہدایت دی ہے کہ ایسے تمام موقع پر از خود فیصلہ کرنے اور اپنی عقل و دانش پر اعتماد کرنے کے بجائے ماہرین، ارباب نظر، ہمدرد اور خیرخواہ افراد سے رائے معلوم کرلی جائے، پھر باہمی غور وفکر کے بعد جس جانب دل مائل ہو اللہ تعالی کی رضا پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اختیار کرلے۔

تخلیق آدم علیہ سلام کے موقع پر اللہ تعالی نے فرشتوں سے تذکرہ کیا تھا اور ان کی رائے معلوم کی تھی، جس کی تفصیل (سورۃ بقرہ آیت ۳۰) کے ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے، اس سے درحقیقت فرشتوں سے مشورہ طلب کرنا مقصد نہیں تھا، بلکہ انسانوں کے دل و دماغ میں مشورہ کی اہمیت پیدا کرنا مقصود تھا کہ خالق کائنات کے اس عمل کو پوری کائنات میں طریقہ بنایا جائے، مگر افسوس! کہ آج دیگر اعمال خیر کی طرح یہ مشورہ کی سنت بھی ہماری زندگی اور معاشرے سے رخصت ہوگئی ہے، اس لئے اس کے بھیانک نتائج آج ہمارے سامنے ہیں، اور بہت ساری محنتوں، مشقتوں، اور کوششوں کے باوجود ناکامی ہمارے حصہ میں ہے۔

ایک بار میں پھر سے اپنے ان الفاظ کو دہراؤں گا کہ میں نے زندگی میں کئی ایک سبق سیکھے مگر جس سبق نے میری زندگی بدل دی وہ ہے وقت پر ایسے چیزوں سے اپنی ''دستبرداری'' جس کی طلبگار دنیا ہمیشہ رہتی ہے۔ دنیا کی ہر شے سے دستبردار ہوجانے سے سکون پالیں گے۔

خاندان کسی بھی قوم یا فرد کی تعمیر میں خشتہ اول کی حیثیت رکھتا ہے، خاندان وہ گہوارہ ہے جہاں کل کے معمار اور پاسبان پرورش پاتے ہیں، یہ وہ تربیت گاہ ہے جہاں پر اخلاق و کردار کی قدریں افراد کے دل و دماغ پر نقش ہوتی ہیں، اور یہی نقوش دیر تک باقی رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام سمیت تمام مذاہب نے گھر اور خاندان کو بہت اہمیت دی ہے۔ اسلام میں گھر اور خاندان کے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لئے مجمل نصیحتوں پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ واضح قواعد وضوابط کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ آج کے دور میں ہمارا المیہ یہ ہے خاندان کا سربراہ اپنے فرائض منصبی کو صرف خاندان کے لئے روزی وروٹی کے حصول تک محدود کئے ہوئے ہے، اور ماں گھر بار کے کاموں میں گھری ہوئی رہتی ہے، انہیں اپنی اولادوں کی تعلیم وتربیت کی فکر اتنی نہیں جتنی پرانے وقت کے والدین کو ہوتی تھی، اسلئے ایک بار پھر سوچ و بچار اور مشورہ کے بعد میں نے اپنے پختہ ارادے سے منیجر کو مطلع کیا اور اپنا استعفی انہیں پیش کیا۔

بینکنگ کی سروس کے دوران عوامی خدمت کا میں نے جس طرح اپنے اردگرد ایک حصار باندھا تھا اور امارات کے عوام میں جس طرح میں مقبول تھا اور ان سے ایک پیار و محبت کا جو رشتہ قائم ہوا تھا وہ میرے بینک کی سروس چھوڑنے کی وجہ سے ان میں سے کچھ نے مجھ سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور پھر سے بینکنگ کے شعبہ میں آنے پر ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا لیکن ان میں بعض ایسے عربی لوگوں کو بھی میں نے دیکھا جو میرے فیصلہ کو اس نوجوانی کے عمر میں ایک اچھا اور بروقت فیصلہ قرار دے رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ 40 سال کی عمر میں آپ کا عزم جوان ہے اور زندگی کے اس سفر میں آگے بہت کچھ کرسکتے ہو۔ اس سفر زندگی میں صرف جگہ بدل جائے گی لیکن عزم وہمت قائم ہو تو انسان بہت کچھ کر

جائے گا۔ میرے قصر والے کزن اور دوست احباب نے بھی اس اہم فیصلے کو بہت بڑا فیصلہ قرار دیا اور اس موقع پر انہوں نے مجھے یہ پیشکش کی کہ کبھی بھی آپکا ارادہ ہو واپس ابوظبی آنے کا تو بلا جھجک ہمیں یاد کرنا مت بھولیں۔

ایسے موقعوں پر اپنوں اور ان دوستوں کے پیار و محبت کے دو بول انسان کو بہت بڑا حوصلہ دیتے ہیں جو انہیں ساری زندگی یاد رہتے ہیں۔ ویسے تو زندگی نام ہے نشیب و فراز کا ہماری زندگی میں اچھے اور برے دن تو آتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھار ہمارے اردگرد تاریکیاں اتنی بڑھ جاتی ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ شاید اب کبھی ہمیں سحر کا منہ دیکھنا ہی نصیب نہ ہو۔ لیکن ایسے میں ایک جگنو بھی نظر آ جائے تو پھر سے امید بندھ جاتی ہے، یہ امید ہی ہے جو ہمیں جینے کا اور کوشش کرنے کا حوصلہ اور ہمت دیتی ہے۔ زندگی کے دیگر معاملات کی طرح اردو شاعری میں امید و بیم کی کیفیات کو خوب برتا گیا ہے۔

کھول یوں مٹھی کہ اک جگنو نہ نکلے ہاتھ سے
آنکھ کو ایسے جھپک لمحہ کوئی اوجھل نہ ہو

پہلی سیڑھی پہ قدم رکھ، آخری سیڑھی پر آنکھ
منزلوں کی جستجو میں رائیگاں کوئی پل نہ ہو

خوشی و غم اور کامیابی و ناکامی کی آنکھ مچولی زندگی بھر انسان کے ساتھ چلتی رہتی ہے، اچھے برے دن ہماری زندگی کا لازمی حصہ ہیں، ہمیں ان کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ہی پڑتا ہے۔ اس حوالے سے انسان کے رویہ کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے، کچھ لوگ اپنی غلطیوں سے سیکھتے ہیں، اپنی اصلاح کرتے ہیں اور اپنے مقصد حیات کی طرف اپنی توجہ مرکوز کئے

ہوئے آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ یہ وہ مثبت رویہ ہے جو حضرت انسان کو ناکامی کے بعد سنبھلنا سکھاتا ہے، زندگی کے نشیب و فراز سے نپٹنا سکھاتا ہے، ورنہ یوں بھی ہوتا ہے بہت سے لوگ اپنی ناکامی سے دل برداشتہ ہو جاتے ہیں اور مایوسی کا شکار ہو کر گمنامی کے اندھیروں میں کھو جاتے ہیں۔ کامیابی کے سفر کے کچھ عملی تقاضے ہوتے ہیں اور ان تقاضوں کو پورا کئے بغیر بات کہاں بنتی ہے۔ صرف خواہشات کا ہونا کافی نہیں ہے، ان خواہشات کے حصول کے لئے اپنے سامنے موجود ان رکاوٹوں کو بڑے حوصلہ اور استقامت سے پھلانگنا پڑتا ہے۔

ونسٹن چرچل کا مشہور مقولہ ہے کہ "کامیابی حتمی منزل نہیں ہے اور نہ ہی ناکامی حتمی مایوسی ہے، دراصل حوصلہ قائم رہے وہ سب سے بڑی کامیابی ہے۔" انسان کی کامیابی اس کی جسمانی ساخت سے ہرگز مشروط نہیں ہے۔ کامیابی کے لئے ذہنی اور فکری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ غیر متزلزل یقین، مصمم ارادہ اور آگے بڑھنے کی صلاحیت و خواہش بہت ضروری ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو کامیابی کے اس سفر میں رکاوٹوں کی پرواہ نہیں کرتے وہ ان غیر معمولی صلاحیتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔

صبر، استقامت، حوصلہ، ہمت، جوانمردی اور یقین محکم پر قائم رہ کر پھر ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے اگر انسان کی ہر خواہش پوری ہو جائے تو یہ دنیا جنت نہ بن جائے۔ جبکہ دنیا امتحان گاہ ہے، آزمائشوں کی جگہ ہے، یہاں اچھے اور برے کی تمیز ہوتی ہے، رشتوں کی سچائی کا احساس ہوتا ہے، اپنوں اور بیگانوں کی پہچان ہوتی ہے، بس انسان کو چاہیے کہ مشکل حالات میں بھی صبر و استقامت کا وہ دامن تھامے رکھے، قدموں میں لغزش نہ آنے پائے، ذہنی طور پر متزلزل نہ ہو جائیں، ایمان و یقین میں مزید پختگی پیدا ہو، کنفیوشس نے

بہت پہلے کہا تھا کہ اندھیرے کو برا بھلا کہنے سے تو بہتر ہے کہ ایک شمع روشن کردی جائے۔ اندھیرے سے خوف کھائے بغیر اس کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہی جوانمردی کی علامت ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رح نے کیا خوب کہا تھا:

ہمت کرے انسان تو کیا ہو نہیں سکتا
وہ کون سا عقدہ ہے جو وا ہو نہیں سکتا

اس لئے ہمیں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ یہ دودن کی زندگی ایک مسلسل سفر کا نام ہے اس میں ہم اور آپ ایسے اشعار لکھیں جو امید افزا ہوں اور جو زندگی کی مہمات میں مہمیز کرنے کا کام کریں اور ہمارے عزم و ہمت کو مستقل طور پر قوت بخشیں۔

❀❀

باب۔۴۵

ابوظہبی کی یادیں

میرے بھائیوں میں نور محمد کو اپنی ہوٹل کی سروس میں وہ تمام آسائشیں میسر تھیں جو انٹرنیشنل لیبر لاء کے مطابق خدمات انجام دینے پر ملنی چاہیے تھیں جن میں انہیں رہائش، کھانا اور کئی ایک سہولتیں جو 5 اسٹار ہوٹل کی طرف سے انہیں حاصل تھیں جہاں وہ کام کررہے تھے اور وہ ہنسی خوشی راحت سے اپنے کام میں سرگرم تھے۔ لیکن طارق علی اور امجد علی کو میرے جانے سے کافی فرق پڑا انہوں نے ایک بلڈنگ میں اپنے لیے ایک کمرہ رینٹ پر لے لیا جہاں زیادہ تر بغیر فیملی والے بیچلرز لوگ رہتے تھے۔ اس طرح انہوں نے اپنے لئے کھانا بنانے اور اس کو محفوظ کرنے کے لئے جوائنٹ فلیٹ میں ایک اچھا سیٹ اپ کرکے فریج کی خدمات بھی حاصل کی تا کہ کھانا خراب نہ ہو۔ اس طرح انہوں نے اپنے کو ایڈجسٹ کیا اور زندگی کی دوڑ میں پھر سے شامل ہو گئے اس موقع پر میں صرف انہیں نیک دعائیں ہی دے سکتا تھا۔

اپنی 20 سالہ سروس سے فارغ ہوکر مارچ 1999 میں ابوظہبی کی خوشگوار یادیں اپنے ساتھ لیئے واپس کراچی پہنچا۔ بلاشبہ انسان بہت حساس ہوتا ہے اور جہاں اس کو بہت محبت اور پیار ملتا ہے وہ وہاں سے مانوس ہوجاتا ہے، ابوظہبی کے اچھے ماحول میں رہ کر میرا بھی یہی حال تھا۔ کیونکہ اکثر اس وقت مجھ سے لوگ اپنے واپس جانے پر تبصرہ کرنے کا کہتے تو میں ان کو بتا تا کہ کراچی میری جائے پیدائش ہے جہاں میرا گھر بار ہے اس لئے کراچی سے مجھے پیار ہے لیکن میرا دوسرا گھر ابوظہبی تھا جہاں پر مجھے پیار محبت اور اچھے لوگوں کی صحبت ملی۔

رخصت ہوتے وقت کچھ لمحوں کے لئے میری آنکھیں بھر آئیں کیونکہ ایک گھر کے لئے دوسرا گھر چھوڑ نا اب ضروری ہو گیا تھا اب دوسرے گھر ابوظہبی کی یادیں باقی میرے پاس

رہ گئیں تھیں۔ یادیں اچھی ہوں یا تکلیف دہ ان سے روز ہی کسی نہ کسی بہانے سابقہ پڑ ہی جاتا ہے۔ کبھی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں تو کبھی مسکراہٹ ہونٹوں کی زینت بن جاتی ہے۔ یادیں اچھی ہوں یا بری زندگی ان ہی کی مرہون منت ہے۔ کبھی اپنی غلطیوں کی طرف توجہ ہوجاتی ہے تو کبھی اچھی باتوں کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ وہ یادیں ہی ہیں جو ہمیں وہ سارے سبق یاد دلاتے ہیں جو ہم نے کسی کتاب میں نہیں پڑھیں بلکہ وقت نے ہمیں یہ سبق سکھائے ہیں اس لئے مجھے لگتا ہے یادیں اکثر معلم بن کر ہمیں تعلیم بھی دیتی ہیں تاکہ ہم اپنی راہیں درست سمت کی جانب رکھیں۔

مجھے بھی سب کی طرح اپنی یادوں سے بہت محبت ہے۔ میں نے ہمیشہ اپنی یادیں کسی نہ کسی بہانے سمیٹ کر رکھی ہیں۔ جب کبھی ان میں سے کوئی چیز سامنے آجاتی ہے تو میں اپنے ماضی میں پہنچ جاتا ہوں۔ ہم روز کی زندگی جیتے ہیں اور برسوں کی حیات کو پل پل کے حساب سے گزارتے ہیں۔ کتنے ہیں جن کو آنے والے کل کی فکر ہے؟ فکر ہے تو آج کا، دھڑکا ہے تو گزرتے لمحوں کا۔ جو گزر گیا وہ جیسے تھا ہی نہیں اور جو آنے والا ہے اس کی جیسے فکر ہی نہیں۔

محققین کا خیال ہے کہ ہماری اچھی یادیں بری یادوں کی بہ نسبت زیادہ عرصہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں تاکہ انسانی نسل خوش رہے اور برے حالات کا مقابلہ کر سکے۔ ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ اپنی اچھی یادوں کو ذہن میں رکھنا اور بری یادوں سے دامن چھڑا لینا ہمیں ناخوشگوار حالات سے نمٹنے میں مدد دیتا ہے اور یوں ہم زندگی کو ایک مثبت نظر سے دیکھتے ہیں۔ زندگی کا ایک خوبصورت اصول یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں ان یادوں کو جگہ دے جو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ دیں اور ان لوگوں کی یاد کو دل میں رکھے جن کی نظر میں وہ انمول ہوں ورنہ زندگی کے سفر میں اتنی یادوں کا بوجھ لے کر چلنا مشکل ہوجاتا ہے۔

باب۔۴۶

ایک نئی زندگی کا آغاز

زندگی کے ان 40 سالوں میں میں نے جو تجربات حاصل کئے میری آئندہ کی زندگی کو گزارنے کے لئے میرے لئے یہ بہترین نمونہ تھے۔ ابوظبی سے کراچی واپس آنے کے بعد میں نے اپنے بچپن کے سنہرے دنوں کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی جنہیں ابوظبی جانے سے پہلے یہاں چھوڑ آیا تھا لیکن وہ پیارے دن مجھے نہیں مل سکے۔ میرا کراچی اب بدل چکا تھا وقت کے ساتھ ساتھ یہاں کے لوگوں کے رہن سہن طور طریقہ بدل چکے تھے اور یہاں ایک نفسانفسی کا عالم تھا۔ اقدار کے بدلنے کے بعد کیا میں اپنے اصول بھی بدلتا؟ میں نے اپنا بچپن اور ابوظبی میں رہتے ہوئے اپنے 20 قیمتی سال سادگی سے بسر کئے لیکن یہاں کراچی آکر ہمیں مختلف رنگ دیکھنے کو ملا ہر ایک ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی، اس جیسا بننے کی خواہش میں اپنے خدوخال سے نکل کر اچھائی اور برائی کی تمیز کئے بغیر ایک ہی رات میں امیر بننے کی سوچ لے کر حلال اور حرام کی تمیز کئے بنا آگے بڑھ رہا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ بدلنے لگا تھا لالچ اور ہوس نے انسان کو یوں گھیرا ہوا تھا کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے گلشن کو اجاڑ رہا تھا۔ کراچی کے سرسبز درخت کھٹتے گئے، خالی میدانوں اور پارکوں پر قبضے کا چلن عام ہوا۔ تجارتی سرگرمیاں پھیلنے لگیں۔

پتھر اور مٹی کی جگہ سیمنٹ کی بلند و بالا عمارات فلک کو چھونے لگیں۔ بڑے پلاٹوں کی بات ہی چھوڑیں ایک سو بیس 120 گز کے چھوٹے پلاٹ پر بھی کئی منزلہ عمارات تعمیر ہونے لگیں۔ پرانی عمارتیں اگرچہ پتھر اور مٹی کی ہوا کرتی تھیں مگر اندر دراز نما روش دان لگے ہوتے تھے جس سے ہوا اور ٹھنڈک گزر سکتی تھی۔ یہ عمارات گرمیوں میں ٹھنڈی اور

سردی میں گرم رہتی تھیں لیکن سیمنٹ سے بننے والی بلند و بالا عمارات اس کے برعکس تھیں۔ ان عمارات نے ایک تو سمندری ہوا کا راستہ روک دیا اور وہ پروائی جو کراچی کی پہچان تھی باقی نہیں رہی ہوا کی آمد و رفت بند ہوئی تو دوسری جانب سمینٹ کے ڈھانچے بہت زیادہ گرمی جذب کرنے لگے اور یوں شہر کا درجہ حرارت بڑھتا چلا گیا۔ ایسے علاقہ جہاں سمینٹ کی بلند و بالا عمارات قریب قریب ہوں وہاں یہ سمینٹ کے ڈھانچے سارا دن سورج سے حرارت اپنے اندر جذب کرتے رہتے ہیں اور پھر جب سورج ڈھل جاتا ہے تو یہ حرارت باہر خارج کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ حرارت اردگرد پھیلنے لگتی ہے اور ہوا کو گرم کر دیتی ہے اور اب اگر ہوا کی نکاسی کا راستہ نہ ہو، عمارات ایک دوسرے سے جڑی ہوں تو یہ حرارت وہیں ہی پھنس جاتی ہے اور اس علاقے کا درجہ حرارت دوسرے علاقوں سے کم از کم 10 سے 12 ڈگری بڑھ جاتا ہے۔ یہ سمینٹ وہ عنصر ہے جو حرارت جذب کر کے عمارات کو تپتی ہوئی بھٹی یا تندور کی شکل دے دیتا ہے۔

میں نے کراچی آ کر کچھ وقت بچوں کے ساتھ آرام کر کے اور سیر و تفریح کر کے گزارا اور پھر ایران کے صوبہ سیستان و بلوچستان کے معلوماتی سفر کے لئے روانہ ہوا تا کہ وہاں کے تجارتی حالات دیکھوں اگر مناسب ہوا تو وہیں کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کر کے زندگی کے بقیہ دن گزاروں کیونکہ کراچی کے حالات اور یہاں کے طور طریقہ دیکھ کر اور اپنی سادگی دیکھ کر مجھے یہاں زندگی گزارنا بہت مشکل لگ رہا تھا حالانکہ میں مشکلوں سے گھبراتا نہیں بلکہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرتا آ رہا ہوں۔ لیکن یہاں کے بے ایمانہ ماحول، کرپشن اور معاشرہ کے بگاڑ جیسے مسائل سے ہر حال میں بچنا میرا مقصود تھا۔

مند پاکستان کے سرحد پر واقع پاکستان کا وہ آخری شہر ہے جہاں سے بارڈر کو پار

کر کے ایرانی بلوچستان کے شہر پیشن پہنچنے کے لئے دوہری شہریت رکھنے والے بلوچ روزانہ بڑی تعداد میں آمد و رفت کرتے رہتے ہیں۔ اسی راستہ سے گزر کر میں 5 گھنٹہ کی مسافت طے کرنے کے بعد اپنے آبائی گاؤں کڈان قلات سرباز شہر پہنچا۔ یہاں کا ماحول شہروں خاص کر کراچی شہر سے بہت مختلف تھا۔ یہاں لوگ فجر کی نماز سے پہلے اٹھتے ہیں نماز سے فارغ ہو کر چائے کا دور چلتا ہے اور سورج کی روشنی چڑھنے پر ناشتہ تیار ہو کر لگ جاتا ہے۔ پرانے وقتوں میں پنیر اور ابلے انڈہ کھانے کا رواج تھا روٹی اکثر لوگ تندور سے خرید کر لاتے تھے جو افغانی لمبے نان کی طرح ہوتا ہے۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر گھر کے مرد حضرات اپنے کام کاج کی طرف جاتے تھے ان میں کسان اپنی کھیت کی جانب، دکاندار اپنی دکانیں 7 بجے کھولنے نکلتے تھے اور بچے اپنے اسکول کی طرف روانہ ہوتے تھے۔

جمہوریہ اسلامیہ ایران کے صوبہ سیستان و بلوچستان کے ضلع سرباز (جواب شہر ہے) میں تمام اداروں کے مکاتب اور بینکوں کے آفس قلات سرباز میں واقع تھے۔ قلات سرباز کا ایک تجارتی حب تھا جہاں پاکستانی مصنوعات تجارتی راستوں سے اور کبھی کبھار چوری کے راستوں سے یہاں پہنچتا تھا اور زیادہ تر ایرانی تجارتی سامان ایران کے بڑے شہروں سے ٹرالر کے ذریعہ آتا تھا اور لوگ دور دراز کے دیہاتوں سے اپنی دکانوں کے لئے ہول سیل خریداری کرنے کے لئے آتے تھے اور بعض اپنے گھروں کے لئے ضرورت کا سامان بھی خریدنے آتے تھے جو یہاں انہیں مناسب قیمت میں مل جاتا تھا۔

یہاں علاج معالجہ کے لئے عوام کے لئے ایک گورنمنٹ ہسپتال تھا جہاں فری علاج اور صحت بیمہ کی مفت سہولیات کے ساتھ دوائی فری دی جاتی تھی، یہاں پرائویٹ کلینک بھی تھے جو اپنا کاروبار لائسنس کے تحت کرتے تھے جہاں پر لوگ دور دراز کے

دیہاتوں سے آکر علاج معالجہ کراتے تھے۔ اس قدر گہما گہمی کو دیکھ کر دل فیملی کے ساتھ یہاں آکر رہنے کو بے قرار تھا۔

مرحوم بھائی محمد یوسف آسکانی کی دکان بھی قلات میں تھی جس میں ایرانی اشیا کے علاوہ وہ پاکستانی پرچون کا سامان بھی فروخت کرتے تھے جن میں خواتین کے بناؤ سنگھار اور دھاگہ، سوئی سے لے کر تمام سامان دستیاب ہوتے تھے اور ماشاءاللہ اچھی سیل ہوتی تھی اور وہ خوشی خوشی اپنی فیملی کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ قلات میں دکانیں صبح 7 بجے سے کھلنا شروع ہوتی تھیں اور دوپہر ظہر کی نماز کے وقت بند ہونا شروع ہوتی تھیں۔ تقریباً 6 گھنٹہ کی تجارت میں لوگ اچھا خاصہ بزنس کرتے تھے اور ان کا اللہ تعالی پر یقین کامل تھا اس لئے زیادہ کا لالچ نہیں کرتے بلکہ ایک ٹائم ٹیبل کے مطابق اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دین سے ان کو بہت محبت تھی پانچ وقت کی نماز کو وہ قضاء نہیں کرتے تھے۔

یہ ماحول مجھے بے حد پسند آیا جہاں پر یہ لوگ دیانتداری اور وقت کی پابندی کے ساتھ اپنی تجارت، اپنے مکاتب میں جا کر خدمات انجام دے کر اور طلباء و طالبات اپنا تدریسی عمل جاری رکھ کر زندگی کا بھرپور لطف لے رہے تھے۔ جو ایک اصولی زندگی کا پتا دے رہا تھا۔

یہاں آکر ایک اطمینان سا ہوا کہ میں ایسی جگہ پر موجود ہوں جہاں کا ماحول اور پاکستان کے ماحول میں بہت فرق تھا۔ پاکستان میں اکثر لوگوں کی زندگی مستقبل کے فرضی اندیشوں سے لرزاں رہتی تھی اس کی شاید وجہ ایمان کی کمزوری تھی لیکن تجربہ اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے اکثر اندیشے محض مفروضے ثابت ہوتے ہیں اور کبھی حقیقت نہیں بن پاتے۔ اکثر ماضی کے پچھتاؤ اور ناخوشگوار یادوں میں جینے والا شخص ایک قنوطی، مایوس

اور نفسیاتی مریض کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اسی طرح مستقبل کی حد سے زیادہ فکر کرنے والا فرد ایک وہمی، خوف زدہ اور مخبوط الحواس شخصیت کا عکاس ہوتا ہے۔ ہماری زندگی میں ہر معاملے کے ساتھ یہ ان گنت اندیشے جڑے ہوئے ہیں۔

انسان کے پاس کچھ ایسی بعض قوتیں ہیں کہ اگر ان میں اعتدال اور توازن برقرار رہے تو ایسے انسانوں میں مثبت خصوصیات پیدا ہوتی ہیں مثلاً عقل، غصہ، شہوت، دولت، لیکن اگر یہ قوتیں افراط اور تفریط کا شکار ہو جائیں تو انسان میں اخلاقی امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ اخلاقی بگاڑ کا شکار ہو کر تقویٰ کے راہ سے بھٹک جاتا ہے۔

یہاں میں انسانی خوشی کا یہ تجزیہ بھی پیش کروں گا کہ ہماری زندگی میں حقیقی خوشی اور اطمینان نہ ہونے اور بے سکون، بے چین اور بے قرار ہونے کی ایک وجہ انسان کی شخصیت کا ایک اور پہلو بھی ہے جسے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ وہ پہلو ہے ''روحانی پہلو'' یہ انسانی شخصیت کا وہ پہلو ہے جسے ہم انسان کی اصل شخصیت قرار دے سکتے ہیں۔

جب انسان جسمانی وجود کے تقاضے پورے کرتا ہے اور روحانی پہلو کو نظر انداز کر دیتا ہے تو اس کی زندگی میں بے سکونی، بے قراری، بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ روحانی وجود کا ایک ہی تقاضہ ہے کہ انسان کا اپنے رب سے تعلق استوار ہو جائے اور اس کا ایک ہی راستہ ہے وہ ہے تقویٰ کا راستہ۔ تقوی کا راستہ معرفت الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ بے چینی کے اس سحر سے نکلنے کے لئے دین فطرت نے قدم بہ قدم ہماری رہنمائی کی ہے۔

یہاں آکر روحانی پہلو کو یہاں کے لوگوں کی زندگی میں دیکھ کر جو خوشی ہوئی وہ بیان نہیں کر سکتا یہاں کے لوگ پرسکون اور چین و راحت سے رہ رہے تھے۔

باب۔۷۴

ایک بار پھر ایرانی بلوچستان کا رُخ

اپنے آبائی گاؤں کدان میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد صوبہ سیستان و بلوچستان کے اولین بندرگاہ کی وجہ سے بہت مشہور شہر چابہار کے معلوماتی سفر اور وہاں رہنے والے عزیزوں رشتہ داروں سے ملنے کے لئے میں اپنے بہنوئی اور کزن لیاقت علی آسکانی کے ہمراہ روانہ ہوا۔ سرباز ضلع سے چابہار تک کی مسافت کار میں تقریباً 3 گھنٹہ کی ہے۔ صبح سویرے ناشتہ کر کے اس سفر کے لئے نکلے، ہماری کار ان دلکش و رنگین بڑی اور چھوٹی پہاڑی سلسلوں کے درمیان شاندار سڑکوں سے گزرتی ہوئی سڑک کے دونوں اطراف لہلہاتے کھیتوں اور نہروں کا نظارہ کراتے ہوئے چابہار شہر کی جانب لے جارہی تھی۔

دونوں ممالک میں واقع اس بڑے قطعہ بلوچستان کو اگر ہم دوربینی سے دیکھیں تو یہ دو لفظوں بلوچ وستان سے مل کر بنا ہے بلوچ ایک قوم ہے اور استان رہنے کی جگہ کو کہتے ہیں جہاں بلوچ رہتے ہیں، ان دونوں لفظوں کے ملاپ سے یہ بلوچستان بن جاتا ہے۔ بلوچ بلوچستان کی دہرتی ماں کے قدیم ترین باسی ہیں، تاریخ دان ہمیشہ بلوچ قوم کی الگ الگ پہچان بتاتے رہتے ہیں کچھ نے تو بلوچوں کو ترکمانی کہا اور کچھ نے انہیں عربی کہا اور کچھ نے ترکی کا مجموعہ کہا ہے۔ بلوچستان سرزمین کب آباد ہوا تھا اور کب بلوچ یہاں آباد ہوئے ہیں یہ کوئی نہیں جانتا ہے اور نہ ہی کتابیں بتا سکتی ہیں بلوچستان کی تاریخ بہت پرانی ہے یہ سرزمین پوری دنیا میں بہت مشہور ہے۔

بلوچستان کبھی ایک بہت بڑی ریاست ہوا کرتی تھی لیکن اب وہ ایران اور

پاکستان کے بڑے رقبہ والے صوبوں کی شکل میں موجود ہے، جس کی سرزمین قیمتی خزانوں سے بھری پڑی ہے جسے نکال کر دونوں ممالک اپنے صوبوں کو ترقی دے سکتے ہیں اور اپنے ممالک کے لئے امن و آشتی کا سامان پیدا کر سکتے ہیں۔ دنیا بھر میں بلوچستان کو سونے کی چڑیا بھی سمجھا جاتا ہے مگر اصل سونا تو بلوچستان کی معدنیات ہیں۔ ان معدنیات میں سونا، چاندی، لوہا، کرومائٹ تانبا، گیس، چونا، عمارتی پتھر، ایگرو کرومائٹ، جپسم، سنگ مرمر اور کئی اعلیٰ قسم کی دھاتیں موجود ہیں جو دونوں ممالک کے سرکاری خزانوں میں اربوں روپے کا اضافہ کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے برعکس یہ دونوں ممالک اپنے عوام کی خوشحالی اور انہیں ان کے بنیادی حقوق کی فراہمی میں زیادہ مخلص نظر نہیں آتے ہیں۔

اگر ہم پاکستان کے صوبہ بلوچستان کی مثال لے لیں تو پاکستان دنیا کا خوش قسمت ترین ملک ہے جس کا صوبہ بلوچستان کوئلہ کی دولت سے مالا مال ہے۔ بلوچستان میں کوئلہ کی دریافت انگریز حکومت کے دور میں ہوئی تھی۔ 1889 میں سب سے پہلے کوئلہ سیونج میں دریافت ہوا تھا اسوقت کوئلے کے کل زخائر کی لمبائی 20 میل تھی جبکہ 2010 میں ڈیگاری کے مقام سے کوئلے کی جو دریافت ہوئی تھی اس کی کل لمبائی اور گہرائی ایک ہزار میٹر تک ہے جو پاکستان اور صوبہ بلوچستان کی سب سے بڑی کوئلے کی کان تصور کی جاتی ہے۔

خوبصورت پہاڑوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ بلآخر ختم ہوا اور اب کار میدانی علاقوں سے گزرتی ہوئی چابہار کی طرف رواں دواں تھی۔ اس سڑک کے دونوں اطراف بڑے اور چھوٹے دیہات اور گاؤں جن میں بنے ہوئے کچے، پکے مکانات، مساجد، تعلیمی ادارے، دکانیں اور کلینک نظر آرہے تھے کھیتوں میں کام کرتے کسان تپتی دھوپ میں بھی

کاشتکاری کررہے تھے۔

لیاقت بھائی نے کار نوبندیان کے بازار کے قریب کار پارکنگ میں روکی اور میں اس شاندار تجارتی دیہات کا نظارہ کرکے حیران ہوا جہاں بڑی تجارتی چہل پہل تھی۔ دراصل نوبندیاں سے متصل پاکستان اور ایران کا ایک بارڈر 250 بارڈر قریب ہی ہے جہاں سے لوگ رہداری لے کر گوادر سے چابہار کے لئے آتے رہتے ہیں اور یہاں چابہار کے لوگ راہداری لے کر گوادر اپنے عزیز واقارب کو دیکھنے جاتے ہیں یہ راہداری 15 دن کا ہوتا ہے اور یہ محدود علاقوں تک کے لئے ہوتا ہے جو راہداری پر لکھا ہوتا ہے۔

اس بارڈر سے ایران اور پاکستان میں اچھی خاصی تجارت قانونی ذریعہ سے لائسنس کے مطابق ہوتی ہے، تاجر حضرات اپنا سامان پاکستان سے امپورٹ کرتے ہیں اور نوبندیاں ایک تجارتی منڈی کی حیثیت سے بہت مشہور ہوگیا ہے جہاں دور دراز کے علاقوں سے لوگ آکر ہول سیل میں خریداری کرتے ہیں۔ یہاں تھوڑی دیر آرام کرنے اور ایرانی بسکٹ اور کیک کھانے اور جوس پینے کے بعد ہم پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے اور تقریباً ایک گھنٹہ بعد ہم چابہار شہر پہنچے۔

مجھے ایران آنے اور اپنے آئندہ کی بقیہ زندگی کو ایسے ماحول میں شروع کرنے کی ضرورت تھی جہاں بھائیوں کی مشاورت شامل ہو اور وہ اس ماحول میں میری بھرپور رہنمائی کریں جہاں کی فضا میں میں اپنے خدوخال کے مطابق ایڈجیسٹ ہوسکوں۔

چابہار شہر بندرگاہ ہونے کی وجہ سے ترقی کی جانب روز بروز رواں دواں تھی البتہ یہاں کے عوام مجھے اپنی پرانی اور خوبصورت ثقافت کے امین لگے۔ پرانے طرز کے بازاروں میں قدیم طرز کی زندگی اب بھی باقی تھی اور لوگوں کا جم غفیر صبح سویرے سے ان

بازاروں میں خریداری کے لئے پہنچ جاتے تھے۔ البتہ نئے ماڈرن طرز کی تعمیرات بھی ہو رہی تھیں اور پرانی عمارات کی جگہ نئے طرز کے بنگلہ نما عمارات نے لے لیں تھیں لیکن اب بھی ٪70 لوگ غریبی میں بھی خوشحال اپنے کچے گھروں میں رہ رہے تھے۔

چابہار کے رہنے والے مقامی لوگ بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ زیادہ تر لوگ دور دراز کے شہروں اور دوسرے صوبوں سے ملازمت، تجارت اور سیاحت کے لئے آنے لگے تھے ان کے یہاں آنے سے چابہار کے قدیم باشندے اپنی آئندہ کی زندگی کو تاریک محسوس کرنے لگے تھے۔ (اس کی ایک جھلک ہمیں کراچی میں ملتی ہے جہاں قدیم باشندے ملازمت، تجارت، پراپرٹی سے محروم ہیں، دوسرے شہروں اور صوبوں سے آئے لوگوں نے تمام سہولیات حاصل کی ہوئی ہیں اور ایک خوشحال زندگی گزار رہے ہیں)

اس تاریکی کا قصوروار کون ہے ہم کس کو اس کا ذمہ دار ٹھہرائیں اس کا تعین آج تک نہیں ہوسکا اور اگر چابہار میں مردم شماری کی جائے تو قدیم باشندوں سے زیادہ باہر سے آنے والے لوگوں کی اکثریت ہمیں ملے گی۔

آزاد بندر کمپلیکس

ساحل سمندر کے قریب اونچی پہاڑی نما جگہ کو بلڈوزر سے ہموار کرکے کئی ہزار ایکڑ کی اس جگہ پر آزاد بندر کمپلیکس بنائی گئی ہے جہاں کئی درجن شاپنگ مال، ہوٹلز اور بہتریں سڑکیں تعمیر کی گئی ہیں اور عوام کے لئے ڈیوٹی فری اشیاء سمندر کے راستہ منگوا کر یہاں ان شاپنگ مالوں میں فروخت کیا جارہا تھا تاکہ لوگ خلیجی ممالک جانے کے بجائے خریداری کا مزہ یہاں لوٹیں اور زرمبادلہ یہیں رہے۔ ان شاپنگ مالوں میں دکانیں مالکانہ حقوق کے ساتھ بلڈرز بیچ رہے تھے۔ زیادہ تر دکانیں چابہار کے مقامی لوگوں کی پہنچ سے

دور تھیں اس لئے یہ دکانیں بھی دوسرے شہروں اور صوبوں سے آنے والے ہی خرید رہے تھے اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھو رہے تھے۔

اس نئے طرز کے ماحول کو دیکھ کر بے حد خوشی ہو رہی تھی کہ یہاں کی گورنمنٹ نے عوام کے لئے سہولیات کے دروازہ کھولے ہوئے ہیں لیکن افسوس اس بات کا تھا کہ یہاں کے مقامی لوگ صرف ان شاپنگ مالز میں ملازمت ہی کر سکتے تھے۔

شہری زندگی کا جو تصور ہم ابوظبی یا کراچی میں دیکھ آئے تھے کہ دکانیں صبح 10 کے بعد کھلتی تھیں۔ وہ تصور یہاں آکر فیل ہو گیا ہے ایران کے لوگ محنتی اور جفاکش ہیں۔ صبح 8 بجے تمام کاروبار، دکانیں، شاپنگ مالز، سرکاری دفاتر، تعلیمی ادارہ اور ہسپتالوں کے او پی ڈیز کھل جاتے تھے اور لوگ ضروریات زندگی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ میں نے اپنی زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے لیکن اس طرز زندگی کو پہلی بار دیکھ رہا ہوں جس کو دیکھ کر مجھے اپنی محنت اور جدوجہد بہت چھوٹی لگی۔ اب میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں آخر ہم میں اور یہاں کے عوام میں کیا فرق ہے جو انہیں ترقی کی جانب لے جا رہی ہے اور ہم تنزلی کا شکار ہیں۔

چابہار شہر میں مجھے آئے ہوئے چار دن ہو گئے تھے یہاں رہ کر اپنے تمام قریبی عزیزوں، بھائیوں اور رشتہ داروں سے ملاقاتوں، بات چیت اور مشاورت کا سلسلہ ناشتہ، ظہرانے، عصرانے اور عشائیوں میں جاری رہتا تھا۔ ان کی مہمان نوازی اور مشاورت کے بعد اب میرا اگلا سفر دوسرے بڑے شہر ایرانشہر کا تھا تاکہ اس معلوماتی سفر میں قریبی شہروں کے تجارتی ماحول اور معاشرتی زندگی کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے ایک نقطہ پر بات ختم کر دوں کہ میرا مستقبل کہاں ہو جہاں میں مستقل رہ کر کچھ کر سکوں۔

میں اپنے ماضی کے تجربات اور بینک کی سروس کی وجہ سے عمر کے اس حصہ میں تھا کہ کسی کی نوکری سے بہتر یہ خیال کر رہا تھا کہ اپنا چھوٹا موٹا کاروبار شروع کروں۔ تجارت کسب معاش کا بہترین طریقہ ہے اسے اگر جائز اور شرعی اصول کے مطابق انجام دیا جائے تو دنیاوی اعتبار سے یہ تجارت منافع بخش ہوگی اور اخروی اعتبار سے بھی یہ بڑے اونچے مقام اور انتہائی اجر و ثواب کا موجب بنتا ہے۔ تجارت اگرچہ دنیا کے حصول اور مالی منفعت کے لئے کی جاتی ہے تاہم یہ خدا کا فضل ہے کہ انسان زاویہ نگاہ اگر ذرا سا تبدیل کر لے اور تجارت کرنے والے یہ سوچ لیں کہ خدا کا حکم حلال روزی کی تلاش اور حلال پیسوں کے ذریعہ اولاد کی پرورش، بیوی اور والدین کی ضروریات کی تکمیل ہو اور وہ کاروبار بھی اسلامی اصولوں کی روشنی میں کیا جائے تو ایسی تجارت کی بڑی فضیلت ہوتی ہے۔ جو تاجر تجارت کے اندر سچائی اور امانت کو اختیار کرے تو وہ قیامت کے دن انبیاء، صادقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔

اس لئے اہل علم اور فقہاء کرام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں کامیاب اور نفع بخش تجارت کے لئے چند اصول بیان کئے ہیں جن کی روشنی میں تجارت کی جائے تو دنیا میں بھی نفع ہوگا اور آخرت کے اعتبار سے بھی تجارت بے انتہاء اجر و ثواب کا باعث ہوگا، تاجر حضرات کو چاہیے وہ تجارت کرتے وقت ان اصولوں کو پیش نظر رکھیں:

(۱) اپنے کاروبار کو فروغ دینے کے لئے ہمیشہ سچائی اختیار کرے، جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں کھا کر جو لوگ اپنی تجارت کو فروغ دیتے ہیں، وقتی طور پر اگرچہ منافع بخش معلوم ہوتا ہے مگر درحقیقت ایسی کمائی اور ایسی تجارت سے برکت اٹھالی جاتی ہے۔

(۲) مال کا عیب چھپانے اور خریدار کو فریب دینے سے پرہیز کیجئے، بسا اوقات

مال بیچنے والے نقلی مال اصلی بتا کر بیچتے ہیں اس طرح وہ اپنے آپ کو ہوشیار، چالاک اور بہت عقلمند تصور کرتے ہیں۔ یاد رکھیں! یہ عقلمندی نہیں بلکہ بہت گھاٹے کا سودا ہے ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں جگہ خسارے میں رہیں گے۔

چابہار سے ایرانشہر کا سفر چار گھنٹہ کی مسافت پر محیط ہوتا ہے اسلئے ہم صبح ناشتہ کر کے ایرانشہر کے مختصر ایک روزہ معلوماتی سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ ہماری کار اسی راہ پر پھر سے رواں دواں تھی جہاں سے ہم سرباز کی جانب سے آئے تھے میدانی علاقوں کے بعد پہاڑی سلسلہ شروع ہوا اور پیردان قصبہ کے پاس سے ایک پل کے ذریعہ ایرانشہر جانے کے لئے راستہ بدل چکا تھا اس پل کو پار کر کے ایرنشہر کی جانب جانے سے پہلے کچھ دیر پیردان کے ہوٹل میں رکے۔ چائے پی اور تازہ دم ہو کر آگے کی طرف روانہ ہوئے۔ پیردان سے ایرانشہر تک پہاڑی اور میدانی راستوں سے گزرتے ہوئے اور نہروں اور لہلہاتی کھیتوں اور کھجور کے درختوں اور باغات کو سڑک کے دونوں جانب دیکھتے ہوئے ان خوبصورت نظاروں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ایرانشہر پہنچے۔ ایرانشہر ایک تاریخی شہر کا نقشہ پیش کر رہا تھا جہاں زیادہ تر مکانات ایک منزلہ تھے۔ آگے جا کر شاہی قلعہ نظر آیا۔ اس کے قریب قدیم بازار اور سامنے کی طرف پارک ایک خوبصورت ثقافت کا پتا دے رہے تھے۔ یہاں مساجد کے ساتھ امام بارگاہ بھی تھے۔ لوگ جس بھائی چارگی سے رہ رہے تھے وہ ان کی ذہنی پختگی کو ظاہر کر رہی تھی۔ میرے کزن لیاقت نے اپنے کچھ دوستوں کو میرے بارے میں بتایا تھا اس لئے پہلے ان کے ایک دوست کے گھر پہنچے تازہ دم ہونے کے بعد دوپہر کا کھانا لگا دسترخوان ایک مثالی ایرانی کھانوں سے سج گیا اس دوران لیاقت بھائی کے اور بھی دوست احباب آ گئے تھے سب نے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ مل کر کھانا مہمانوں کی

عزت افزائی کے لئے یہاں کی روایات میں شامل ہے جس سے محبت اور اتحاد کا اظہار ہوتا ہے اس مجلس میں معلومات میں کافی اضافہ ہوا یہاں اہل سنت اور شیعہ اثناء عشری پیار و خلوص کے ساتھ ساتھ رہ رہے تھے اس بھائی چارگی کو دیکھ کر خوشی ہوئی۔ سہ پہر کو ایرانشہر کی قدیم مارکیٹوں کا دورہ کیا جہاں بڑی چہل پہل تھی اور تجارت کا حجم اچھا لگا۔

تقریباً 7 گھنٹہ ہم اس شہر میں رہے اور مختلف شعبہ زندگی سے وابستہ لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں اور ایرانشہر کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ یہ گرم ترین شہر ہے جہاں گرمیوں میں تیز ہواؤں کے ساتھ لو چلتی ہے اور جسم کو جلاتی ہے۔ اسلئے ایرانشہر میں زیادہ تر تجارتی سرگرمیاں صبح 7 بجے سے دوپہر ایک بجے تک اور پھر وقفہ کے بعد دکانیں 4,3 بجے پھر سے جاری رہتی ہیں اس طرح سے گرمی سے بچاؤ ہو جاتی ہے۔

شام کو موسم کچھ ٹھنڈا محسوس ہوا تو خوبصورت، قدیم قلعہ اور تاریخی مقامات کی سیر کرنے کے لئے نکلے اور خوب انجوائے کیا اس مختصر اور خوشگوار سفر کے بعد واپس اپنے آبائی ضلع قلات سرباز جانے کے لئے ہم وہاں سے نکلے اور میزبانوں نے ہمیں بڑی گرمجوشی سے رخصت کیا۔ یہاں کی مہمان نوازی اور بھائی چارگی کو دیکھ کر یہاں کے لوگوں کے لئے دل کی گہرائی سے نیک دعائیں نکلتی ہیں جن کا احساس اب بھی زندہ ہے اور وہ انسانیت کے دائرہ میں اب بھی رہ رہے ہیں۔

دراصل احساس ہی اس بے وفا دنیا کا خوبصورت ترین اور مضبوط رشتہ ہے۔ احساس ہی ہے جو انسان کو انسانیت کے رشتوں سے جوڑتا ہے۔ دین اسلام بھی ہمیں احساس کا درس دیتا ہے۔ انسانی معاشرے میں احساس پیار و محبت کی پہلی سیڑھی کا نام ہے یہ نہ ہو تو انسان میں قربانی و ایثار کا جذبہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا یا یوں کہا جائے کہ احساس ختم

ہوجائے تو انسانیت مرجاتی ہے اور انسان کو کسی بھی تکلیف کا احساس اسوقت تک نہیں ہوتا جب تک انسان خود اس تکلیف سے نہ گزرے۔

آج کے دور میں احساس کا جذبہ کم دکھائی دیتا ہے اور جو لوگ جذبہِ احساس رکھتے ہیں انکے دل نرم ہوتے ہیں۔ احساس نہ ہوتو انسان قاتل، چور، ظالم، جھوٹا، منافق، دھوکہ باز اور خودغرض ہوجاتا ہے۔ ہم یہاں پاکستان میں اپنے معاشرے کو نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو ہر شخص ہمیں اضطراب کا شکار نظر آتا ہے۔ زندگی کی تمام سہولیات میسر ہونے کے باوجود دل اضطراب کا شکار ہوتا ہے اسکی سب سے بڑی وجہ ان کے دل میں احساس کا نہ ہونا ہے۔

احساس کسی رشتے میں ہوتو رشتے مضبوط ہوتے ہیں اور اگر احساس نہ ہوتو رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ احساس ہی ہے جو رشتوں کو جوڑے رکھتا ہے اور احساس کے خاتمے کے ساتھ ہی تمام رشتے اور تعلقات بھی ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ بات بھی درست ہے کہ احساس نہ ہوتو رشتے ادھورے لگتے ہیں، احساس کی عدم موجودگی کی وجہ سے رشتوں میں جو خلاء پیدا ہوتا ہے وہ کبھی پورا نہیں ہو پاتا۔

انسانوں سے جڑا ہر رشتہ والدین، دوست واحباب ہمیشہ ہماری توجہ کے طلبگار ہوتے ہیں مگر یہ تلخ حقیقت ہے کے آج کی نوجوان نسل کو رشتوں کا احساس نہیں ہے۔ یہ ہماری اخلاقی ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے اردگرد کا جائزہ لیں اور اگر کسی کو ہماری ضرورت ہے تو اپنی استطاعت وحیثیت کے مطابق اُسکی ضرورت کو پورا کریں۔ چونکہ یہی احساس ہے جو بندوں سے ہوتو اللہ کے قرب سے آشنائی ملتی ہے۔ رشتوں کی حفاظت کرنی چاہیے رشتے خون کے ہوں، احساس کے ہوں، یا پھر دوستی کے انکی حفاظت کریں اور انکی قدر جانیں،

کیونکہ تمام رشتے انمول ہیں۔

ایرانشہر سے سرباز قلات کا سفر ہم نے ڈیڈھ گھنٹہ میں طے کیا اور واپس اپنے آبائی گاؤں کدان پہنچے۔ یہاں سرباز ضلع کا موسم پہاڑی علاقہ ہونے کی وجہ سے بہت معتدل رہتا ہے یہاں گرمیوں میں بھی اتنی گرمی نہیں پڑتی ہے لیکن سردیوں کی راتیں سرد ہوتی ہیں اور کبھی کبھار نلکوں میں پانی جم جاتا ہے۔ مجھے گاؤں کی زندگی بہت پیاری لگتی ہے۔ دیہاتوں میں حسن فطرت کی فراوانی ہوتی ہے فطرت کو اپنے اصلی روپ میں دیکھنا ہو تو گاؤں سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں۔

انگریزی کا ایک مقولہ ہے: ''دیہات اللہ نے بنائے اور شہر انسان نے'' خاص طور پر دیہاتوں کے صبح وشام کے مناظر قابل دید ہوتے ہیں صبح کا منظر دلفریب ہوتا ہے مگر شام کا منظر بھی اپنے اندر بہت کشش رکھتا ہے۔ یہ حسیں مناظر اس قدر دلفریب ہوتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ دیکھتا ہی چلا جاؤں۔ ''دیکھنے کی ہے یہ چیز اسے بار بار دیکھ!'' لہلہاتے ہوئے کھیت ہرے بھرے سایہ دار درخت کھلی فضا اور تازہ ہوا گاؤں والوں کے لئے قدرت کا بہت بڑا عطیہ ہیں۔

واہ رے دیہات کے سادہ تمدن کی بہار
سادگی میں بھی کیا تیرا دامن زرنگار

دیہات کا ماحول بہت پرسکون ہوتا ہے۔ یہ خداداد چیز ہے شہر کے لوگ شہر کے ہنگامہ پرور زندگی سے اکتا کر فیملی سمیت عید نوروز کی 15 دن کی چھٹیاں گزارنے ان دیہاتوں کا رخ کرتے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ سکون قلب کی تلاش ہوتی ہے۔ بقول علامہ اقبال:

شورش سے بھاگتا ہوں،دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقدیر بھی فدا ہو

دیہاتی لوگ بہت سادہ اور مخلص ہوتے ہیں ان کی زندگی میں تکلف، بناوٹ، ریاکاری،مکروفریب، اور دکھاوا نہیں ہوتا وہ خلوص اور صاف دلی کا پیکر ہوتے ہیں وہ بلکل صاف نیت اور سیدھا سادہ ہوتے ہیں اور ان کی زندگی میں کوئی اینچ پینچ نہیں ہوتا۔ وہ خالص غذا کھاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ شہری لوگوں کی نسبت زیادہ توانا اور صحتمند ہوتے ہیں۔ دیہاتوں کے لوگ سستی اور کاہلی سے کوسوں دور رہتے ہیں وہ سخت محنت اور مشقت کے عادی ہوتے ہیں چناچہ کسان کی محنت ضرب المثال ہے۔ وہ محنت اور مشقت سے اناج کاشت کرتے ہیں۔ اس موقع پر مولانا حالی کا یہ شعر یاد آیا:

وہ تھکتے ہیں چین پاتی ہے دنیا
کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

زندگی کے مقصد کی تلاش دراصل اپنی ذات سے آگے کی جستجو ہے، جو زندگی سے بھرپور ہوتی ہے۔ یہاں ایران آکر یہاں کے معاشرتی ماحول میں پنپنے کی جدوجہد اور یہاں کے لوگوں کی روزمرہ زندگی کے بارے میں معلومات حاصل کرنا مجھے اپنے آگے کی زندگی اور اس زندگی سے جڑے ہمسفروں کے لئے روزگار کے حصول کے لئے نہایت ہی کارآمد ثابت ہوئے دو ماہ اپنے آبائی گاؤں میں گزار کر آخری فیصلہ کے لئے واپس اپنی فیملی سے ملنے اور مشاورت کے لئے کراچی پہنچا۔

زندگی کا مقصد کیا ہے

ہم میں سے ہر فرد یہ خیال کرتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی کائناتی مشن پر ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ ہم زمین پر کچھ وقت کے لئے قیام کرتے ہیں، کچھ چیزیں ہماری زندگی کے لئے اہم ہوتی ہیں اور کچھ چیزیں غیر اہم ہوتی ہیں۔ اہم چیزیں ہماری زندگی کو اہم بناتی ہیں انہیں سمجھنے کی ضرورت ہے یہ ہمیں معنی اور خوشی عطا کرتے ہیں۔ غیر اہم چیزیں ہمارا صرف وقت ضائع کرتی ہیں۔

اس لئے جب لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ میری اس زندگی کا مقصد کیا ہے؟ مجھے اپنے زندگی کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ تو وہ دراصل یہ پوچھ رہے ہوتے ہیں کہ مجھے اپنا اہم وقت اور توانائی کس طرح صرف کرنا چاہیے؟

ایسا ممکن نہیں کہ تم ایک صبح اٹھو اور خود کو خوش وخرم پاؤ، ایک ہی طرح کے کام کرو اور زندگی ایک ہی ڈگر پر چلتی رہے۔ یہ مسلسل عمل میں ہے، اسی طرح تمہیں بھی کچھ نہ کچھ مسلسل آزمانا، اشیاء اور معاملات کو سمجھنا اور محسوس کرنا ہوگا، ان کے ساتھ ہم آہنگ رہنا ہوگا۔ لکھنا آسان ہے، محض سیدھے بیٹھ کر سادہ صفحے پر نظر مرکوز کرنی ہوتی ہے یہاں تک کہ خون کے قطروں کی طرح ماتھے سے الفاظ کی صورت میں ڈھلنے لگتے ہیں اس لئے محققین کی ماہرانہ رائے یہ ہے کہ جو کچھ کرنا تمہیں محبوب تر ہو وہ ہمیشہ باعث تسکین بھی ہونا چاہیے۔ ہر اہم کام میں قربانی کا تقاضا بھی چھپا ہوا ہوتا ہے بلکل اسی طرح جیسے بیوی یا شوہر کا انتخاب، یہ محض کسی فرد کا کوئی ایسا انتخاب نہیں ہے جو انہیں ہمیشہ مطمئن رکھ سکے، یہ ایک ایسا انتخاب ہوتا ہے جس میں برے مزاج اور حالات کے ساتھ بھی گزارا کرنا ہوتا ہے ورنہ یہ زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی۔

آؤ ذرا زندگی کا جائزہ لیں اور اس پر بات کریں۔ چند لمحے یہ سوچیں ہم زندگی سے کیا چاہتے ہیں؟ خوشی چاہتے ہیں؟ مزید دولت چاہتے ہیں؟ بہتر روزگار؟ بہترین دوست؟ دیکھیں ہر کوئی اچھا محسوس کرنا چاہتا ہے۔ ہر کوئی بے فکری کی زندگی گزارنا چاہتا ہے، ہر کوئی شہرت اور مقبولیت چاہتا ہے، دولت اور محبت چاہتا ہے، معزز اور پسندیدہ نظر آنا چاہتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسرت کا حصول محنت طلب ہے لیکن لوگ بغیر محنت اور رسک کے امیر بننا چاہتے ہیں، بغیر قربانی کے سب کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ قدرت کا قانون ہے منفی صورتحال کا سامنا کرنے پر ہی مثبت صورتحال سامنے آجاتی ہے۔ ہم منفی تجربات سے اتنی دیر جان چھڑا سکتے ہیں جتنی دیر میں وہ پلٹ کر پھر زندگی کے سامنے آئے۔ کراچی روشنیوں کا شہر جہاں تمام خرابیوں اور مشکلات کے باوجود لاکھوں لوگ اپنی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق گزار رہے ہیں اپنا کاروبار اور اپنے سامنے بچوں کو علم کے زیور سے آراستہ کر رہے ہیں۔

میرے بچے یہاں پڑھ رہے تھے ان کے تعلیمی نظام اور ایران کے تعلیمی نظام میں بہت فرق نظر آیا وہاں ذریعہ تعلیم فارسی زبان میں تھا جبکہ یہاں کی ابتدائی تعلیم انگریزی اور اردو زبان میں ہے۔ ایسی صورتحال میں میں نے اپنی فیملی سے مشاورت کے بعد مستقل کراچی سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا، میں نے جو دکانیں لیاری کے ایک شاپنگ مال میں ابوظہبی کی سروس کے دوران بک کرائی تھیں وہاں جا کر ان دکانوں کا قبضہ لیا اور تجارت کا رخ دیکھا جہاں پر زیادہ تر دکانیں بیرونی ممالک سے امپورٹ کی ہوئی چپلوں سے بھری ہوئی تھیں غریب شاہ ایک تجارتی علاقہ بن چکا تھا جہاں مختلف علاقوں سے لوگ آکر ہول سیل اور رٹیل میں خریداری کرتے تھے اس لئے میں نے بھی ایرانی چپل کی ایک ہول سیل اور دوسری رٹیل کی شاپ کھولی۔

کاروبار کی جانب پہلا قدم

شہر کراچی میں لیاری ٹاؤن کے علاقے غریب شاہ کو پاکستانی اور باہر کے ممالک سے امپورٹیڈ شوز، سینڈل اور چپلوں کی ایک بڑی مارکیٹ کا درجہ حاصل ہے اس کے قلب میں واقع پیرس شاپنگ مال میں ہول سیل اور رٹیل کی دکانوں سے زندگی کو ایک نئے خطوط پر استوار کر کے میں نے ایک بار پھر سے میدان عمل میں قدم رکھا اس بار ماحول، جگہ تبدیل ہو چکے تھے۔ پہلے ابوظہبی میں سروس کر رہا تھا اور اب اپنا کاروبار تھا۔ اس لئے کاروبار کو وسعت دینے اور ایک کامیاب بزنس مین بننے کے لئے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے ساتھ ساتھ ماں کی دعائیں میرے ساتھ تھیں۔

کسی بھی کاروبار میں ایمانداری، محنت و مشقت اور اپنے رب پر یقین کامل ضروری عنصر ہوتے ہیں۔ الحمدللہ سابقہ تجربات اور بینک کی سروس میں حاصل کئے گئے آئڈیاز کی وجہ سے کام چل پڑا اور لوگ دور دراز سے آکر ہول سیل اور رٹیل میں خریداری کرنے لگے۔

پاکستان میں پرانے ادوار کی تجارت اور جب میں نے تجارت شروع کی اس ادوار کی تجارت میں جو بنیادی فرق میں نے محسوس کیا اس عہد کو کاروبار کے حوالے سے مسابقت کا دور قرار دوں گا۔ اس دور میں اچھی تجارت محض تحقیق، ترقی، گاہک کے ساتھ بہتر تعلقات اور خدمات پر ہی اکتفا نہیں کرتی تھی، بلکہ تمام تاجروں کی مشترکہ کاروباری ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ اپنے کاروبار کو اچھے ماحول اور معاشرے کی توقعات کے عین مطابق بنائیں۔

اس مقابلے کی دوڑ میں تاجروں کو اپنے کاروباری اداروں کو دوران کام قوانین کا احترام اور پابندی کرنا بھی ضروری تھا۔ نیز تجاتی اداروں کے لئے اپنے اخراجات کو کم کرنا بھی اہم ہوگیا تھا یہ ایسے مسائل تھے جو تجارت کے حجم کو اچھار کھنے کے لئے ان کی پابندی کرنا بہت ضروری ہوگیا تھا، ان اخراجات کو کم کرنے کے لئے بعض تاجر کئی طریقہ استعمال کرتے تھے لیکن جو اس میدان میں نئے آئے تھے ان کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے کاروباری حجم کی بہتری کے لئے کسی تیسری پارٹی کی مدد حاصل کرے جو اس فن سے شناسا۔ وہ تمام کاموں کا جائزہ لے اور بتائے کہاں کہاں توجہ کی ضرورت ہے۔ یوں ایک ماہرانہ تجزیہ اور بہترین رہنمائی ملے گی کہ کس طرح کاروبار کو بہتر بنانا ہے۔

جب میں اس مارکیٹ میں آیا اور اس میدان میں قدم رکھا تو یہاں ہول سیل کی ایک بڑی شاپ اقبال بلوچ شوز اینڈ گفٹ سنٹر کے نام سے مشہور تھی اور کاروبار کے لحاظ سے اس کا بہت اونچا گراف تھا، جہاں سندھ، بلوچستان اور کراچی کے تمام اضلاع سے تاجر حضرات آکر ہول سیل پر چپل خریدتے تھے۔ میری اور ایک ہول سیل دکان حاجی محمد علی اشرف زئی کی ابوہریرہ شوز کے کھلنے سے پیرس شاپنگ مال میں چہل پہل بڑھ گئی تھی اور رونق میں اضافہ ہوگیا تھا۔ اقبال بلوچ گفٹ اینڈ شوز کے مالک محمد اقبال بھی خوش تھا کہ اب یہاں تجارتی گہما گہمی میں اضافہ ہوگا اور تجارت کا حجم بڑے گا۔ ہول سیل میں لوگ خریداری کرنے اب تمام دکانوں کا رخ کر رہے تھے جسے ہم نے ایک اچھا شگون خیال کیا البتہ رٹیل کا رجحان بہت کم ہوا۔ اس موضوع پر جب اقبال بلوچ سے استفسار کیا تو اس نے بتایا کہ رٹیل بزنس شعبان اور رمضان کے مہینوں میں بہت ہوتا ہے اسی طرح بڑی عید سے پہلے اور شادیوں کے سیزن میں رٹیل کا حجم اچھار ہتا ہے اور اتنی انکم ہوتی ہے کہ 6 ماہ کا خرچہ نکل

آتا ہے۔

میرے دونوں بیٹے اور بیٹی اپنے تعلیمی میدان میں آگے کی جانب پیش رفت کر رہے تھے اور اچھے نمبروں سے ہر سال پاس ہو رہے تھے۔ عبدالحفیظ میٹرک بورڈ کا سالانہ امتحان دے چکا تھا اور اب وہ میرے ساتھ صبح دکان آنے لگا تھا، ایک ہیلپر کو بھی رکھا تھا جو مستعدی سے کام کر رہا تھا۔

کسی بھی کاروبار میں سب سے بڑا چیلنج پیسہ لگانا اور اس پیسہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ رقم صفر سے لاکھوں کی جانب رواں دواں رہے۔ یہ بات اس وقت ممکن ہوجاتی ہے جب انسان اپنے کاروبار کو پورا وقت دے۔ اچھا بیوپاری اس وقت تک آرام نہیں کرتا جب تک پیش آنے والے مسائل کا حل نہ نکالے اسی فلسفہ کو لے کر میں چلتا رہا اور اس دوران چھوٹی موٹی مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے زندگی کا یہ نیا سفر جاری رکھا۔

دنیا بھر میں کاروباری زندگی کو نوکری سے کئی گنا زیادہ بہتر خیال کیا جاتا ہے میں نے بھی اسی فارمولے پر عمل کرتے ہوئے شاپنگ مال میں دکانیں شروع کی تھیں کہ یہاں ہول سیل خریداری کا حجم بہ نسبت رٹیل کے بہتر تھا۔ اس علاقہ میں بلوچستان سے بسیں آتی جاتی تھیں اور یہیں ان کے ٹرمینل تھے اس لئے بغیر کسی مشکل کے ہم بلوچستان کے مختلف علاقوں میں اپنے گاہکوں کو آسانی کے ساتھ مال بھیج سکتے تھے۔

باب۔۵۰

تاریک دور

الحمدللہ اس طرح زندگی کے اچھے دن گزر رہے تھے اور میں اللہ سبحان تعالی کا نہایت ہی شکر گزار تھا کہ انہوں نے صحت و تندرستی اور رزق کی نعمتوں سے مجھے نوازا۔کراچی کے خراب حالات کے اثرات سے جہاں شہر کے مختلف علاقوں میں لوگ متاثر تھے جو ایم کیو ایم کے دو دھڑوں کے عسکری ونگوں کی لڑائی کی صورت سے شروع ہو کر لسانی جنگ کی صورت اختیار کر گئی تھی۔اس بے بنیاد لڑائی میں اردو اسپیکنگ ،پختون ،کچھی، بلوچ اور دوسری قومیت کے لوگوں کا کافی جانی و مالی نقصان ہو رہا تھا اور قانون کے رکھوالے کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے جس سے حالات کافی حد تک خراب ہو گئے۔ان حالات میں لیاری بھی محفوظ نہ رہ سکا اور یہاں کے جرائم پیشہ لوگوں کے دو گروپس بھی اس ریس میں شامل ہو گئے۔غیر جانبدارانہ نظر سے دیکھا جائے تو انہیں سیاسی قوتوں ایم کیو ایم اور پی پی پی کی بھرپور سپورٹ حاصل تھی۔

روشنیوں کے شہر کراچی کے لئے یہ ایک تاریک ترین دور تھا جس میں کئی سو سے زیادہ بے گناہ لوگ شہید ہوئے۔کراچی دنیا بھر میں روشنی کے شہر کے طور پر جانا جاتا تھا لیکن پھر ایک وقت آیا اس کی شناخت بھتہ خوری، ٹارگٹ کلنگ، اغوا برائے تاوان، گینگ وار، اسٹریٹ کرائم اور دیگر گھناؤنے جرائم کے گڑھ کے نام سے ہونے لگا اور یہ دنیا کے خطرناک ترین شہروں کی دوڑ میں شامل ہو گیا۔

باب۔۵۱

زندگی کا بہت بڑا دھچکا

میرا بڑا بیٹا عبدالحفیظ کاروبار میں میرا شریک تھا اس کا رجحان تعلیم کی جانب کم ہو چلا تھا میں نے اپنی فیملی سے مشاورت کے بعد اس کی شادی اپنے قریبی رشتہ داروں، عزیزوں میں کی۔اس طرح اس نے ایک اچھی زندگی کی شروعات کی ان کی دو اولادیں بیٹا اور بیٹی دو دو سال کے وقفہ سے ہوئیں اور وہ اپنے بچوں کے ساتھ بہت ہنسی خوشی زندگی کے دن گزار رہے تھے۔میرا دوسرا بیٹے عبدالحسیب میٹرک کر چکا تھا اور وہ سی ٹی اسکین، نرسنگ کے کورسز کا ڈپلوما حاصل کرنے کے بعد ایک کلینک میں پارٹ ٹائم جاب کر رہا تھا۔باقی اوقات میں دکان آ کر میرا ہاتھ بٹاتا تھا۔مریم بیٹی انٹر پری میڈیکل میں تھی اسے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا، یہ سب کچھ میرے بچے لیاری کے تاریک دور (Dark period) میں اپنی جان کی پرواہ کئے بنا خیر و عافیت سے اپنے روشن مستقبل کے لئے کر رہے تھے۔

خراب حالات میں بھی لیاری کی دکانیں کھلی رہتی تھیں جب تک دہشت گرد آ کر بند نہ کرنے کا کہتے تھے۔جیسے جیسے حالات خراب ہوتے جا رہے تھے ویسے تجارت کا حجم بھی گر رہا تھا۔عبدالحفیظ دکان سے آنے کے بعد ناشتہ کے لئے بریڈ انڈا اور بچوں کے لئے چیزیں لینے موٹر سائیکل پر جاتا تھا یہ مئی دو ہزار آٹھ 2008 کی وہ تاریک شام تھی کہ وہ لوٹ کر واپس زندہ نہ آیا بلکہ خبر آئی کہ دو طرفہ فائرنگ کی زد میں آ کر وہ فوت ہو گیا ہے، اچانک اس بری خبر نے پوری فیملی کو صدمے اور سکتے میں ڈال دیا۔میں ٹوٹ کر بکھر گیا۔

اس موقع پر چھوٹے بیٹے عبدالحسیب نے مجھے ہمت دی اور تمام معاملات اس

نے اور عزیزوں نے سنبھالے اور نعش جب ایدھی سرد خانہ سے گھر لائی گئی تو ایک کہرام سا مچ گیا۔ لوگ ہمارے خاندان کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اس لئے ایک جم غفیر جمع ہو گیا اور ایسے واقعات پر افسوس کا اظہار کیا۔ یہ ایک بڑا صدمہ تھا اللہ تعالی نے مجھے صبر جیسی نعمت عطا کی اور اس جانی نقصان اور دکھ کو برداشت کیا اور اپنی بیگم اور بچوں کو تسلی دی اور سہارا دیا اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے کی تلقین کی۔

ہماری زندگی غم وخوشی سے عبارت ہے۔ اس دنیا میں دکھ ورنج بھی ہے۔ مٹھاس بھی ہے اور تلخی بھی، خوشگواری بھی ہے ناخوشگواری بھی ہے۔ لیکن ہر مومن کو یقین ہے یہ سب اللہ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے۔

اس لئے اللہ تعالی پر ایمان رکھنے والے بندوں کا یہ حال ہونا چاہیے کہ جب کوئی دکھ یا مصیبت پیش آئے تو مایوسی کا شکار ہونے یا غلط طریقے سے اظہار غم کرنے کے بجائے صبر سے کام لینا چاہیے اور یہ بات ہمیشہ ذہن نشین کرنا چاہیے کہ خوشی میں رب کا شکر ادا کرنا اور دکھ کے دنوں میں صبر سے کام لینا چاہیے۔ حزن وملال زندگی کا حسن ہیں المیہ ابدیت کی کہانی بناتا ہے۔

دکھ سکھ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ آگے پیچھے چلتے ہیں۔ کبھی کبھی تو زندگی میں دکھ ہی دکھ نظر آتے ہیں فیض احمد فیض نے اس کی عکاسی یوں کی ہے کہ زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں ہر گھڑی درد کے پیوند لگے جاتے ہیں۔ خواجہ میر درد نے اپنے مخصوص انداز میں ان احساسات، جذبات، مشاہدات اور تخیلات کا اظہار کیا ہے:

زندگی ہے یا یہ کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

عبدالحفیظ کے انتقال کی خبر سن کر دور دراز سے عزیز اقارب اور دوست احباب بڑی تعداد میں تعزیت کرنے آئے، انہوں نے اس ناگہانی موت پر افسوس اور دکھ کا اظہار کیا۔ بیٹی مریم کے انٹر کے سال اول کے امتحانات ہو رہے تھے وہ دکھ اور صدمہ کی حالت میں اپنے امتحانی پیپرز دیتی رہی اور اپنے بھائی سے کئے ہوئے قول کے مطابق اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا۔ ہمارے خاندان کے لئے یہ زخم اتنا گہرا تھا جسے برداشت کرنا بہت مشکل تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ میں نے صبر کیا اور اپنے بچوں کو غم بھلا کر پھر سے خوش رہنے اور اللہ کی رضا پر چلنے کی تلقین کی تاکہ وہ عبدالحفیظ کے پیار ومحبت کے فلسفہ کو آگے بڑھا سکیں اور میرا بازو بنیں۔

عبدالحفیظ اپنے پیچھے ایک بیٹا اور ایک بیٹی۔ (ذہیب اور ماہ نور) چھوڑ گیا تھا جو اس کی وفات کے وقت تقریبا دو اور تین سال کے تھے۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد میں نے جاوید بحریہ میں ماموں رمضان بلوچ کے بنگلہ پر اوپر کے پورشن میں فیملی کے ساتھ سکونت اختیار کی تاکہ غمزدہ ماحول بدل جائے جس کی وجہ سے عبدالحفیظ کی ماں کی طبیعت نہیں سنبھل پا رہی تھی۔

ہمارے اس فیصلے اور علاج معالجہ کی بہترین سہولیات کی وجہ سے بیگم کی طبیعت کچھ دنوں کے اندر ہی بحال ہونی شروع ہوئی۔ ہم ہاکس بے روڈ پر واقع ایک بہترین محل وقوع جاوید بحریہ سوسائٹی میں آ گئے تھے۔ یہ علاقہ شہر کراچی سے دور ہاکس بے ساحل کے قریب تھا اس لئے آنے جانے کے لئے اپنے کنوینس کی ضرورت محسوس ہوئی اور ضرورت کے پیش نظر کار خرید لی جس سے مریم بیٹی کو کالج پہنچانے اور لیاری میں اپنی دکانوں تک پہنچنے میں آسانی آ گئی۔ جاوید بحریہ ایک پرسکون جگہ تھی۔ یہاں کی زیادہ تر آبادی تجارت پیشہ

گورنمنٹ اور نیول سروسز ریٹائرڈ افسران اور زندگی کے دوسرے شعبوں کے لوگ تھے جو پرامن بقاء باہمی کے اصولوں کے مطابق رہ رہے تھے۔ البتہ یہاں کا جو سب سے اہم مسئلہ جو انہیں درپیش تھا وہ پانی کی کمیابی کا تھا۔ اس لئے وہاں رہنے والے ٹینکرز کئی ذریعے سے دوگنے قیمت پر پانی حاصل کرنے میں مجبور تھے۔

کراچی شہر میں بزنس کا حجم دہشتگردی کے واقعات کہ وجہ سے بڑی حد تک گر چکا تھا لیکن تاجر حضرات دکانیں اور کاروبار کھولنے پر مجبور تھے، سہہ پہر کو اپنا کاروبار بند کر دیتے تھے اور شام کو اندھیرا ہونے سے پہلے اپنے گھر پہنچ جاتے تھے تاکہ اندھی گولی کا شکار نہ ہو جائیں گھروں میں موجود خاندان کے تمام افراد ان کی خیرت و عافیت سے پہنچنے کے لئے دعا گو رہتے تھے۔

کراچی کے یہ گھناؤنے اور تاریک دن اکثر جب یاد آتے ہیں تو پوری انسانیت لرز اٹھتی ہے ان واقعات میں لسانیت اور تعصب کی بنیاد پر ہزاروں جانی و مالی نقصانات تمام طبقات اور شہر قائد کے لوگوں کے ہوئے۔ ان واقعات کے ذمہ داروں کا تعین آج تک نہ ہوسکا۔ اگر ہم باریک بینی سے دیکھیں تو اس تمام تاریک دور کی ذمہ داری اس وقت کے حکمرانوں کے سر جاتا ہے جن کے دور میں یہ ظلم وستم ہوا وہ اس کی صفائی میں کچھ بھی کہیں بہرحال ان تمام معاملات کے ذمہ دار وہ ہی گردانے جائیں گے۔

کراچی کی مثال اس دیے کی مانند ہے جو خود جل کر دوسروں کو روشنی بخشتا ہے بلکل ویسے ہی کراچی سونے کا انڈا دینے والی وہ مرغی ہے، جس کے انڈے سب کھا رہے ہیں مگر مرغی کی زندگی کی کسی کو بھی پروا نہیں ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے ہمارے بچپن کے تعلیمی نصاب میں رات کی تاریکی میں روشنیوں سے جھلملاتی ایک تصویر ''روشنیوں کا شہر

کراچی'' کے نام سے شامل تھی۔ کراچی ایک غریب پرور شہر تھا ایک ایسا شہر جس نے مہاجروں سے لے کر پورے ملک کے لوگوں کو اپنے دامن میں سمیٹ کر رکھا جہاں مہاجر، سندھی، پنجابی، بلوچ، پختون، اور کئی زبان بولنے والی قومیں امن اور چین سے جی رہے تھے پھر یہ آخر اتنی نفرتیں کیوں اور کیسے ہمارے درمیان نمودار ہوئیں؟

اس کا جواب دینے سے پہلے ہم کراچی کی پرانی تاریخ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر اور صنعتی، تجارتی، تعلیمی، مواصلاتی اور اقتصادی مرکز رہا ہے۔ پاکستان کی سب سے بڑی بندرگاہ اور ہوائی اڈہ بھی کراچی میں قائم ہے۔

کراچی 1947 سے 1960 تک پاکستان کا دارالحکومت رہا ہے۔ قدیم کراچی کی ہم اگر بات کریں تو یہ ایک ماہی گیروں کی قدیم بستی تھی جس کی سربراہ ایک بلوچ خاتون مائی کلانچی تھی۔ انگریزوں نے انیسویں صدی میں اس شہر کی تعمیر وترقی کی بنیادیں ڈالیں۔

1947 میں پاکستان کی آزادی کے وقت کراچی کو نوآموز مملکت کا دارالحکومت منتخب کیا گیا۔ اس کی وجہ سے شہر میں لاکھوں مہاجرین کا داخلہ ہوا جنہیں یہاں رہنے والے لوگوں نے خوش آمدید کہا اور سب بھائی چارگی سے رہنے لگے۔ 1959 میں پاکستان کے دارالحکومت کی اسلام آباد منتقلی کے باوجود کراچی کی آبادی اور معیشیت میں ترقی کی رفتار کم نہیں ہوئی۔ اس وقت روزگار کی تلاش میں بلوچستان مکران سے بلوچ اور انڈیا کے گجراتی بولنے والے علاقوں سے کچھی برادری کے لوگ یہاں مائیگیری، مزدوری اور دیگر کاموں کے مواقع دیکھ کر آئے بلوچوں اور کچھیوں میں ابھی تک مضبوط رشتہ قائم ہے۔

کراچی 1980، 1990 اور 2000 کی دہائیوں میں پرتشدد واقعات، دہشت گردی، سیاسی اور سماجی ہنگامہ آرائی کا شکار بنا رہا جہاں پر ہم اگر نقصانات کا تخمینہ

لگائیں تو کراچی شہر اور پورے ملک کو اربوں کھربوں کا نقصان ہوا لیکن جو نقصان ادیبوں، دانشوروں، اسکالروں، حکیموں اور عالم دین لوگوں کے قتل و غارت سے ہوا وہ نا قابل تلافی ہے جس پر آج تک کسی نے بات نہیں کی کیونکہ ایک پڑھے لکھے آدمی کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے اگر ہم لیاری یا اس کے اردگرد کا مشاہدہ کریں تو یہاں جو پرتشدد واقعات ہوئے اور ان غنڈہ عناصر نے یہاں پر جانی اور مالی نقصان لوگوں کو پہنچایا وہ شہر بھر کے واقعات کے مقابلے میں آٹے میں نمک کے برابر حصہ تھا۔ بہر کیف قتل ہونے والوں میں اکثریت بے گناہ افراد کی تھی۔

❁❁

باب۔ ۵۲

سکون کی تلاش

میرا چھوٹا بیٹا عبدالحسیب اپنی آگے کی تعلیم کو جاری نہ رکھ سکا اور وہ میرے ساتھ بزنس میں میرا ہاتھ بٹانے لگا البتہ بیٹی مریم اپنی تعلیم جاری رکھی ہوئی تھی اور انٹر سائنس (میڈیکل) کے فائنل امتحانات میں وہ اے گریڈ میں کامیاب ہوئی۔

تعلیمی میدان میں اس کی دلچسپی اور شوق کو دیکھتے ہوئے میں نے ہمیشہ اس کی حوصلہ افزائی کی ارادہ MBBS یا Pharmacy کے شعبہ میں ڈاکٹر بننے کا تھا۔ ڈاؤ میڈیکل کالج اور لیاری میڈیکل کالج میں داخلہ ٹیسٹ دیئے لیکن کامیاب نہ ہوسکی لیکن ہمت نہیں ہاری بعد میں بقائی میڈیکل یونیورسٹی گڈاپ ٹاؤن سپر ہائی وے میں ڈاکٹر آف فارمیسی کے شعبہ میں داخلہ مل گیا یہ ایک پرائیویٹ یونیورسٹی تھی اور اس کی فیس سالانہ بہت زیادہ تھی لیکن توکل اللہ کر کے اس نے اپنا تعلیمی سلسلہ شروع کیا اور کراچی خاص کر لیاری کے ان دنوں کے خراب حالات میں روزانہ وہ یونیورسٹی آتی جاتی رہی۔

عبدالحسیب میرا بہت سمجھدار اور ذمہ دار بیٹا ہے۔ اس نے کافی دیر تک بزنس کو سنبھالا ہوا تھا۔ ہم والدین نے سوچا کہ اس کا گھر بسائیں۔ اس کی شادی کا پروگرام بنایا۔ شادی جاوید بحریہ ہی میں نہایت ہی سادگی سے ہوئی۔ اس طرح ہماری زندگی میں پھر سے خوشی کی لہر آئی۔

جاوید بحریہ میں رہتے ہوئے تقریبا دو سال کا عرصہ ہو گیا تھا اس دوران ماموں نے اس مشکل وقت میں ہمیشہ ہمارا ساتھ دیا۔ دو سال کے بعد کچھ وجوہات کی بنا پر واپس لیاری جانے کا فیصلہ کیا ان وجوہات میں میری بیٹی کی تعلیم اور دوم وجہ ہاکس بے روڈ

پر ٹریفک جام کا مسئلہ تھا لیاری والا مکان کرایہ دار سینیٹر الماس پروین سے خالی کروا کر ہم واپس لیاری آ گئے۔ ہاکس بے روڈ پر یہ مشکلات آج تک جوں کے توں ہیں اور وہاں کے لوگ ان سختیوں کو برداشت کر رہے ہیں حالانکہ یہ ماریپور کی شارع سیاحوں کی گزرگاہ ہے یہاں سے راستے ہاکس بے کے ساحلی تفریحی مقامات کی جانب جا نکلتے ہیں جہاں دور دراز سے لوگ ہر ہفتہ، اتوار پیراڈائز پوائنٹ، سینڈز پٹ اور کئی اہم پوائنٹ پر جا کر سمندر کی سیر کرتے ہیں لیکن حکومت اور لوکل انتظامیہ کی عدم توجہ کے باعث یہ شارع اس قابل نہیں بن سکی کہ لوگ آرام سے سفر کر سکیں اور ٹریفک جام سے بچ سکیں۔

ہم 2010 میں واپس اپنی رہائشگاہ لیاری میں منتقل ہوئے تھے۔ لیاری شہر کراچی کے قلب میں ہونے کی وجہ سے ضروریات زندگی کی پہنچ سے قریب تھا اور ہے۔ یہاں سے سول، جناح ہسپتال بازاروں، شاپنگ مالوں اور مارکیٹوں تک رسائی بہت آسان تھی اس کے علاوہ یہاں پر پانی، گیس ہر وقت دستیاب تھا اور ٹریفک کے مسائل بھی یہاں درپیش نہیں تھے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں تک پہنچنے کے لئے لمبے سفر کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

البتہ لیاری میں امن وامان مسائل تھے ان حالات کا کاروباری برادری پر منفی اثرات پڑ رہے تھے۔ زندگی کا گزر بسر بہت مشکل ہو رہا تھا لیکن لوگوں میں اب بھی ایک امید موجود تھی کہ یہ حالات ہمیشہ برقرار نہیں رہیں گے ایک روشن صبح ضرور طلوع ہوگی۔

ہمارے ایران سے چپل سپلائی کرنے والی ایک پارٹی نے پارٹنرشپ پر کاروبار کرنے کی آفر دی جو اس نازک وقت کی مناسبت سے ایک بہت اچھی آفر تھی کیونکہ اس میں سارا سرمایہ ان کا لگا ہوا ہوگا میں نے صرف اپنی دونوں دکانیں اور مینیجمنٹ رکھنے کی حامی

بھر کر یہ آفر قبول کی۔

یہ ایک نیا تجربہ تھا جس پر بہت زیادہ جان فشانی سے کام کرنے کی ضرورت تھی تاکہ منافع نہ ہونے کی صورت میں نقصان زیادہ نہ ہو لیکن اللہ کی مدد اور نیک نیتی غالب آئی اور کام زور وشور سے چل پڑا اور اس پارٹنرشپ کی وجہ سے کراچی، سندھ، بلوچستان بھر کے تجارتی حلقوں میں بڑا نام پیدا کیا۔ کاروباری لوگ دور دراز سے آ کر ایرانی چپل اپنے دکانوں کے لئے ہول سیل میں خریدتے تھے اور بعض سندھ بلوچستان کے تاجر اپنا آرڈر ٹیلی فون پر بک کراتے تھے اور بینک کے ذریعہ پے منٹ کی وصولی کے بعد ان کا سامان بذریعہ ٹرانسپورٹ ان تک بھیجا جاتا تھے۔

زندگی کی کامیابی اور کامرانی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ زندگی کے ضابطوں کو سمجھا جائے، انہیں ذہن نشین کیا جائے اور موقع بہ موقع انہیں استعمال میں لایا جائے۔ زندگی کے قوانین بے شمار ہیں جن کا مکمل احاطہ ناممکن ہے۔ تاہم زندگی کے مسائل کا سامنا کرنے کے حوالہ سے کچھ باتیں ذہن نشین کرنا ضروری ہیں اگر ہم ان کو لوح ذہن پر نقش کر لیں اور روزمرہ زندگی میں ملحوظ خاطر رکھیں تو زندگی میں آنے والے مصائب اور مشکلات کے طوفان کا مقابلہ بڑی آسانی سے کر سکتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں زندگی کا سفر آسان ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت خوشگوار بھی ہو جاتا ہے۔

❁❁

امید کی کرن

میری بیٹی مریم ڈاکٹر آف فارمیسی کی تعلیم حاصل کرنے روزانہ دو گھنٹہ آنے اور دو گھنٹہ جانے کا سفر طے کرتی تھی۔ پہلے سال کے رزلٹ کے مطابق تمام مضامین میں اچھے نمبر آئے اور اوسطا ٪80 ان کے ایوریج مارکس رہے جس کی بنیاد پر میری بیٹی نے اسکالرشپ کے لئے apply کیا اور انہیں ٪60 اسکالرشپ ملا جو ایک بڑی بات تھی اس سے مجھے اور میری فیملی کو خوشی کے ساتھ ساتھ مالی پریشانی سے بھی آسودگی ملی اور ہم نے اپنے حصہ کا ٪40 فیس ادا کیا۔ بیٹی مریم کا اپنی یونیورسٹی جانے کا شیڈول کچھ یوں تھا وہ صبح فجر کی نماز کے لئے اٹھتی اور ناشتہ بنا کر میرے ساتھ ناشتہ کرتی یونیورسٹی کے پوائنٹ بس کے لئے گھر سے ٹاور رکشہ میں جاتی اور وہاں سے یونیورسٹی کے پوائنٹ بس کے ذریعہ بقائی میڈیکل یونیورسٹی چلی جاتی تھی جو کراچی شہر سے ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت پر حیدرآباد گیٹ کے قریب گڈاپ ٹاؤن میں واقع تھی۔

کراچی کے حالات جس تیزی سے خراب ہو رہے تھے شہر اور مضافاتی بستیوں کے لوگ خوف سے اپنے گھروں میں بند ہو کر رہ گئے تھے تمام کاروباری حضرات روزانہ بھتہ مافیا کی غنڈہ گردی کے خوف سے بہت پریشان تھے اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ حکومت وقت اور ان کے تمام سرکاری ادارے ان حالات کو جوں کا توں رکھنا چاہ رہے تھے تاکہ ایک خوف کا ماحول لوگوں میں رہے اور وہ اپنے ملک کے بنیادی مسائل کی جانب توجہ نہ دے سکیں۔ بلکہ اپنے جان و مال کی حفاظت میں لگ جائیں اس کے ساتھ ساتھ سونے پہ سہاگہ یہ ہوا کہ ہمارے ملک کے تمام پرائیویٹ نیوز چینل، اخبارات اور الیکٹرونیک میڈیا نے چھوٹے موٹے حادثات کو اپنی ہیڈ لائنز، خبروں اور اخبارات کی شہہ

سرخیوں کی زینت بنا کر پیش کرنا شروع کیا جس سے شہر لسانی اور علاقائی بنیاد پر تقسیم ہو گیا۔ مضافاتی بستیوں اور شہری علاقوں میں نفرتیں پیدا کی گئیں اور خبروں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے لگے اور اس آگ کو اور ہوا دینے لگے تاکہ ان کے نیوز چینلز کی آمدنی میں اضافہ ہو۔ اس کے لئے روزانہ شام کو ان نیوز چینل پر تبصرہ اور غلط رپورٹیں شائع ہونے لگیں اور ہمارا وزارت اطلاعات یا پمرا ان کو کنٹرول نہیں کر پا رہا تھا شاید اس کے پیچھے بھی کئی وجوہات ہوں گی جو اب تک عیاں نہیں ہوئی ہیں۔ یہ سلسلہ 2013 تک یوں ہی چلتا رہا پھر انتخابات ہوئے جس میں مسلم لیگ (ن) برسر اقتدار آئی جس کے بعد ہم نے کراچی میں ایک نئی خوش آئندہ پیش رفت دیکھی جس سے جرائم کم ہونا شروع ہوئے۔

کراچی کے حالات پورے ملک پر اثر انداز ہوتے ہیں کیونکہ یہ بندرگاہ، صنعتی اور تجارتی شہر ہونے کی وجہ سے ملک کا شہہ رگ کہلایا جاتا ہے۔ سخت گیر قومی پالیسیوں کی بدولت کراچی میں امن و امان کی صورتحال قدرے بہتر ہوئی۔

اختیارات کا درست سمت میں تعین اور اسکی ادائیگی یہ ایسے مسائل ہیں جو انسان کے اخلاقی معیار کو بلند کرتی ہیں لیکن اگر ہم پاکستان میں دیکھیں تو ایک ناقابل تردید حقیقت یہ ہے کہ اخلاقی بگاڑ آج ہماری زندگی کے ہر شعبہ میں داخل ہو چکی ہے امانت، دیانت، صدق، عدل، ایفائے عہد فرض شناسی اور ان جیسی اعلی اقدار کمزور پڑتی جا رہی ہیں۔ کرپشن اور بدعنوانی نچلے سے اوپری سطح پر معاشرہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ظلم اور ناانصافی کا دور دورہ ہے۔ لوگ قومی درد اور اجتماعی خیر و شر کی فکر سے خالی اپنی ذات اور مفادات کے اسیر ہو چکے ہیں۔ منفی رویہ بھی ہمارے قومی مزاج کا حصہ بن چکے ہیں۔

یہ وہ صورتحال ہے جس پر ہر شخص کف افسوس ملتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایسے میں یہ ضروری ہے کہ ہم اس مسئلے کا تفصیلی جائزہ لیں اور کہ ان عناصر کی نشاندہی قومی سطح پر

کریں۔انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے لیکن ہمیں ایک لمحہ کے لئے رک کر یہ سوچنا چاہیے آخر انسانوں کو جانوروں سے ممتاز کرنے والی چیز کیا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ جانور صرف اور صرف اپنی جبلت کے تابع ہوتے ہیں۔مثلا جب کسی جانور کو بھوک لگتی ہے تو اس کے لئے حلال وحرام، جائز وناجائز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے برعکس انسان زندگی کے ہر معاملہ میں کچھ مسلمہ اخلاقی حدود کا لحاظ رکھتا ہے۔وہ جب بھی اپنی کسی ضرورت کو پورا کرنا چاہتا ہے اس کی اخلاقی حس اسے خبردار کرتی ہے تا کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے کوئی غلط راستہ اختیار نہ کرے۔تاہم جب انسان کی اخلاقی حس قدرے کمزور ہوجاتی ہے تو وہ صحیح اور غلط کی تمیز کھونے لگتا ہے اور ہر جائز وناجائز طریقہ اختیار کرتا ہے۔ایسا رویہ اختیار کرنے والوں کے سفلی جذبہ آہستہ آہستہ ان پر غالب آجاتے ہیں جس کے بعد انسانوں کے معاشرے میں جنگل کا قانون رائج ہوتا ہے اور آخر کار پوری قوم تباہی کا شکار ہوجاتی ہے۔

اشتراک کاروبار میں جہاں پر نئی جہتیں پروان چڑھتی ہیں وہیں پر اس کاروبار پر کاربند رہنے کے لئے طے کردہ اصولوں پر قائم رہنا ضروری خیال کیا جاتا ہے تا کہ ان اصولوں پر چل کر ایک پر اعتماد اور پر فضاء ماحول میں کام کاج ہو سکے۔اپنے کاروبار میں شراکت کر کے جو نئے تجربات مجھے ملے اور کام کو روز افزوں جو تقویت وترقی ملی اس پر میں ہمیشہ اپنے رب کریم کا شکر گزار رہا کیونکہ اس دنیا میں انسان کو خوشی اور خوشحال زندگی کی ہمیشہ تمنا رہتی ہے اس لئے میری بھی نظریں اپنی آنے والی نسلوں اور اپنے خاندان کی طرف تھیں تا کہ میں انہیں ایک خوشحال زندگی کی طرف رواں دواں دیکھوں میری یہ کوشش تھی کہ آئندہ نسلوں کو اس قابل بناؤں کہ وقت کے ساتھ ساتھ تغیر ہونے والے جدید علوم وہنر میں ماہر بنا سکوں۔الحمدللہ اس میں مجھے کامیابی ہو رہی تھی اور میری بیٹی اپنی ڈاکٹر آف

فارمیسی کے چھوتھے سال تک پہنچ گئی تھی اور ہر سال وہ اچھے نمبروں سے پاس ہونے کی وجہ سے یونیورسٹی سے اسکالرشپ حاصل کر رہی تھی۔

جیسے ہمیں تاریخ سے یہ درس ملتا ہے کہ انفرادی شخصیت ہمارے اسی مادی جسم سے ہی جڑی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ کوئی غیر مادی وجود نہیں ہے۔کائنات میں موجود دیگر اجسام کی مانند ہم بھی پیدا ہوتے ہیں، ہم زندہ رہتے ہیں اور پھر مر جاتے ہیں۔انسانی نسلیں زندگی گزارتی اور اپنی نسل کی جگہ لینے کے لئے ایک اگلی نسل پیدا کرتی ہیں۔امرتا کی تمنا اور ہمیشہ کی زندگی کی امید پالنا ایک غیر حقیقی اور غیر مادی سوچ ہے۔ایک غیر موجود زندگی کے خیال میں جینے کے بجائے اسی موجود زندگی کی بہتری کے لئے سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ایک حقیقی زندگی ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے لوگ اس زندگی میں کچھ کرتے نہیں اور یہ سوال ہمیشہ کرتے ہیں آیا موت کے بعد زندگی ہے؟ اصل سوال تو یہ ہونی چاہیے کہ موت سے پہلے بھی کوئی زندگی ہے یا نہیں اور ہم اس زندگی کو کس حال میں گزار رہے ہیں؟ یہ زندگی عارضی ہے، ہم اور ہمارے پیارے لوگ ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے اور مرنے کے بعد دوبارہ ملاقات ہو یا نہ ہو اس حقیقت سے افسردہ اور مایوس ہونے کی ضروت نہیں ہے بلکہ ہمیں اپنی زندگی میں محبت اور پیار کی مقدار کو بڑھانا چاہیے تا کہ یہ عارضی جگہ ہی جنت بن جائے۔اگر ہم یورپی ممالک، امریکہ اور ترقی یافتہ ممالک کی مثال لیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے قوانین میں خوشی کے حصول کو بنیادی حقوق کے جامع اصولوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔بدقسمتی سے اس سے وہ توقعات جنم لیتی ہیں جو حقیقی زندگی میں پوری ہو نہیں پاتی ہیں۔کیونکہ جب ہماری تمام مادی اور جسمانی ضروریات پوری ہوجاتی ہیں تب بھی پائیدار خوشی کو برقرار رکھنا نظریاتی اور مبہم مقصد بن جاتا ہے جیسا کہ غرناطہ کے خلیفہ عبدالرحمن سوم نے دسویں صدی

میں یہ حقیقت دریافت کرلی تھی۔ اندلس موجودہ (اسپین) کے اس حکمران نے فوجی فتوحات کے ساتھ ساتھ ثقافتی میدان میں بھی کامرانیاں سمیٹیں، ان کے ذاتی دو حرم ہوا کرتے تھے تاہم اپنی زندگی کے آخری ایام میں عبدالرحمن سوم نے وہ دن گننے کا فیصلہ کیا جب انہیں حقیقی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ حیران کن طور پر ایسی خوشیوں کے دن محض 14 تھے۔

انسان کو خوش ہونے یا مطمئن ہونے کے لئے تخلیق نہیں کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس بنیادی طور پر فطری دنیا کی ہر مخلوق کی طرح زندہ رہنے اور اپنی نسل بڑھانے کے لئے ہم تخلیق کئے گئے ہیں۔ اصل میں فطرت خوشی یا اطمینان کی حوصلہ شکنی کرتی ہے کیونکہ ہماری بقاء کو لاحق بہت ساری ممکنہ خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے یہ ہماری دفاعی حکمت عملی کو کمزور کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ارتقاء نے خوش رہنے کی فطری صلاحیت سے کہیں زیادہ ہمارے دفاع میں چوکنا رہنے (جو ہمیں عمدہ اور منفرد تجزیاتی قابلیت فراہم کرتا ہے) کو ترجیح دی ہے۔ یہ ہمیں قدرت کی ترجیحات کے بارے میں بہت کچھ بتاتے ہیں۔ یہ دماغ کے مختلف مقامات اور سرکٹس مخصوص اعصابی اور فکری افعال سے وابستہ ہوتے ہیں لیکن خوشی دماغ کے ٹشوز میں نہیں مل سکتی۔ درحقیقت شعبہ زندگی کے ماہرین کا کہنا ہے ارتقاء کے عمل میں افسردگی کو ختم کرنے میں فطرت کی ناکامی (بقاء اور افزائش نسل کے ضمن میں واضع نقصانات کے باوجود) اس حقیقت کی قطعی وجہ یہ ہے کہ افسردگی مشکلات میں مفید کردار ادا کرتی ہے۔ یہ افسردہ فرد کو خطرہ اور ناامیدی جیسے حالات میں اس وقت بھی مدد فراہم کرتی ہے جب وہ جیت نہیں سکتے۔ افسردہ سوچ و بچار مشکل اوقات کے دوران مسئلہ کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہوسکتے ہیں۔

میں ساٹھ سال کا ہوا

05 مئی 2015 کو میں نے اپنی 60ویں سالگرہ حیرت انگیز طریقے سے منائی۔ ہوا کچھ ایسا کہ میرے علم میں لائے بغیر جس کمرہ میں میری سالگرہ کا پروگرام میری بیٹی اور گھر والوں نے رکھا مجھے وہاں بات چیت کی غرض سے بلایا گیا اور ایک پروقار اور شاندار طریقہ سے میرے گزرے کل کے 60 سالوں کو الوداع کہا اور نئے سالوں کے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا گیا۔ سب نے خوش چہروں کے ساتھ مجھے مبارکباد دی اور پھولوں کا گلدستہ پیش کیا۔ یقیناً یہ ایک خاندان کے سربراہ کے لئے پیار و محبت کے قابل قدر جذبات تھے جنہیں میں زندگی کے آنے والے دنوں میں کبھی بھی بھول نہیں سکتا۔

ایرانی اقتصادیات عالمی پابندیوں کی وجہ سے شدید متاثر ہونے لگی تھی جس کی وجہ سے وہاں پر مہنگائی روز بروز بڑھ رہی تھی وہاں پر موجود صنعتی اور تجارتی حلقوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ زرمبادلہ نچلی سطح پر پہنچنے کی وجہ سے وہ اپنے مصنوعات اور برآمدات کی قیمتوں میں کئی گنا اضافہ کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے اور پاکستان ایران بارڈر کی سخت پالیسیوں اور کسٹم قوانین کو دیکھتے ہوئے 2015 کے ماہ جون میں باہمی مشاورت سے ہم نے اپنے بزنس میں شراکت کو ختم کرنے کا اعلان کیا اور اس خوشگوار سفر کو مزید نقصان کی طرف جانے سے پہلے ہی روک دیا کیونکہ ایران کی کرنسی اور اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے ایرانی چپل کا کاروبار روز بروز تنزلی کا شکار ہو رہا تھا۔

اس پر اعتماد سفر کے بارے میں اپنی رائے ضرور شیئر کرنا چاہوں گا تاکہ اس سے قارئین کو معلوم ہو ہم نے بھائی چارگی کے ماحول اور ایک دوسرے پر اعتماد کرکے اس

تجارت کو کامیابی کی طرف گامزن کیا حالانکہ دوسری پارٹی جس نے مجھ پر اندھا اعتماد کیا وہ خیبر پختونخواہ سے تعلق رکھنے والے پشتو اسپیکنگ تھے۔لیکن انہوں نے لیاری میں اس وقت رہ کر جب کوئی لیاری آنے کو تیار نہ تھا بھائی چارگی کے جس ماحول کو میرے ساتھ انہوں نے بزنس پارٹنر بن کر نبایا وہ قابل دید تھا اس لئے اکثر میں تجربات کو اپنا استاد مانتا ہوں انہی تجربات کی وجہ سے اپنی آگے کی منزل میں آسانیاں ڈھونڈ تا رہتا ہوں اور الحمدللہ اللہ اس نیک کام میں میری مدد کرتا رہا ہے۔

یہ جو اعتماد ہے وہ ایک لاطینی لفظ ہے جس کا مطلب ایمان یا یقین ہے، خود اعتمادی ہر چیز کی بنیاد ہے، بے شمار خصوصیات ہوں لیکن اگر ہم اپنے اندر خود اعتمادی کو پیدا نہیں کر سکتے تو ان تمام خصوصیات کا کیا فائدہ؟

ترجیحات ہماری زندگی میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے ایک تحقیق کے مطابق انسان میں اپنے جذبات ونظریات کو قابو کرنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے جس کا مطلب ہے ہم اپنے اندر ذاتی طور پر خود اعتمادی کی فضا کو بھی پیدا کر سکتے ہیں۔جب انسان میں خود اعتمادی آتی ہے تو اس کے اندر خود کو آگے بڑھانے اور بہتر سے بہتر زندگی گزارنے کی صلاحیت بھی آجاتی ہے اور زندگی کے ہر مشکل حالات کا ڈٹ کر سامنا کرتا ہے۔

آپس میں اشتراک عمل اور کاروبار کے ختم ہونے کے بعد میں نے اپنے کاروباری سفر کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا اس کی وجہ اپنی زندگی کے اس حصہ میں رہ کر اتنی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کاندھے پر اکیلے اٹھانے سے معذوری تھی۔اب میرے لئے یہ بھی ممکن نہیں رہا کہ تمام ذمہ داریاں نوکروں کے سپرد کروں اسلئے میں نے دکانیں کرائے پر دیں۔

عبدالحسیب اپنی نرسنگ کورسز اور سی ٹی اسکین اور ایکسرے کے کورسز کرنے کے بعد کلینک میں پارٹ ٹائم نرسنگ کر رہا تھا اور اس نے اپنے ایریا میں ہوم ٹو ہوم انٹرنیٹ سروس بھی شروع کی جس کے ثمرات آگے چل کر آنے لگے اور میں نے عمر کے اس حصہ میں کچھ دن آرام وسکون کا ارادہ کیا تا کہ اپنے بچوں کے درمیان رہ کر انہیں آگے کی جانب گامزن کر سکوں۔

کراچی میں اپنا کاروبار ختم کرنے اور دکانیں کرایہ پر دینے کے بعد میں نے اپنی زندگی کے کچھ دن راحت اور سکون کے ساتھ اپنے بچوں کے ساتھ گزارے اور ایک بار پھر سے ایران کے صوبہ سیستان وبلوچستان کے سفر پر نکلا۔سیر وسیاحت سے انسان کو جو توانائی، تندرستی اور تحقیق سے نئے نئے تجربے ملتے ہیں وہ اسے زندگی کے میدان میں ہمیشہ مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

اس دنیا میں ہر کام کے پیچھے کوئی نہ کوئی مقصد کارفرما ہوتا ہے۔انسان کا ایک قدم بھی بلا مقصد نہیں اٹھتا پہلے انسان دل میں کسی مقصد کا تعین کرتا ہے پھر اس کے حصول کے لئے سرگرم ہو جاتا ہے یہی زندگی کا اصول ہے اب وہ اس سرگرمی میں بہت سے راستے اور طریقے اختیار کرتا ہے اور مختلف افعال سرانجام دیتا ہے۔

لیکن کسی بھی راستہ، طریقہ یا فعل کا انتخاب کرتے وقت وہ اپنے مقصد کو پیش نظر ضرور رکھتا ہے۔یعنی ہمارا اصل مقصد ہماری زندگی کے آغاز سے شروع ہوتا ہے۔اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے"کیا تم یہ خیال کرتے ہو ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے"(المومنین ۱۱۵)

آیئے اب ہم اپنے مقصد حیات پر غور کریں ہم اس دنیا میں اپنی مرضی سے نہیں

آئے اور نہ ہی اپنی مرضی سے جائیں گے۔ جب ہم اپنی زندگی کو نہ آغاز دے سکتے ہیں اور نہ انجام تو پھر اپنی مرضی کا مقصد کیونکر دے سکتے ہیں۔ جو ہماری زندگی کا خالق و مالک ہے اس نے ہماری زندگی کا مقصد بھی دیا۔ وہ مقصد کیا ہے؟ اللہ رب العزت کا ارشاد پاک ہے" اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا کہ میری عبادت کریں" (ذریات ۵۱)۔

عبادت کا مطلب رضائے الٰہی ہے اللہ سبحان وتعالی نے ہم پر واضح فرما دیا کہ ہم سب انسانوں کا مقصد حیات اللہ رب العزت کی رضا حاصل کرنا ہے اور اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر زندگی کا ایک ایک لمحہ گزارنا ہے۔ سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے، کوئی بھی کام کرتے وقت اس مقصد کو یاد رکھنا اور اس راہ پر چلنا ہے۔

باب۔ ۵۵

ایک بار پھر سفر بلوچستان

کراچی سے بلوچستان ایران کا سفر بائی روڈ شہر مند کے راستہ اختیار کیا۔ شام 6 بجے بس روانہ ہوئی تقریبا 8 بجے زیرو پوائنٹ پہنچی یہ زیرو پوائنٹ کوئٹہ اور مکران ڈویژن کا راستہ جدا کرتی ہے۔ زیرو پوائنٹ سے بسوں کے قافلے سرکاری اہلکاروں کی سخت نگرانی میں 9 بجے مکران ڈویژن کی جانب روانہ ہوئے۔

پاکستانی صوبہ بلوچستان کے اس وقت کے حالات کی وجہ سے یہ سیکیورٹی کے ایسے اقدامات تھے جو مملکت کے لئے بہت ضروری تھے جسے کرنے سے انسان کے جانی اور مالی نقصان کا تدارک ممکن تھا اور یہ عوام کی حفاظت کے لئے واقعی قابل تحسین اقدامات تھے۔

پاکستان کا صوبہ بلوچستان رقبہ کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے۔ یہ خوبصورت اور قیمتی معدنیات سے بھرپور پہاڑی علاقوں اور میدانی وسمندری علاقوں پر مشتمل ہے۔ حکومت کو Seafood کی برآمدات، اور معدنیات سے سب سے زیادہ زرمبادلہ یہاں سے حاصل ہوتا ہے۔

کوسٹل ہائی وے کی تعمیر صدر مشرف کے دور اقتدار میں پاک چین تعاون سے ہوا اس وقت بلوچستان کی ممبر قومی اسمبلی زبیدہ جلال صاحبہ وزیر تعلیم تھیں۔ کوسٹل ھائی وے کی تعمیر سے پہلے سفر قدرے مشکل ہوتا تھا لیکن اس کی تعمیر کے بعد ترقی کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ اس ہائی وے سے گزرتے ہوئے ہمیں کئی ایک چھوٹے اور بڑے قصبے نظر آئے۔ لیاری شہر کے نام سے بھی ایک کتبہ نظر سے گزرا تو ہم کچھ دیر کے لئے سوچتے رہے کہ لیاری آبادی کے لحاظ سے کراچی کا ایک بڑا ٹاؤن ہے لیکن اسے ابھی تک ضلع کا درجہ

نہیں دیا گیا۔ اتنے وسائل انہیں ڈائریکٹ حاصل نہیں کہ لیاری کی ترقی میں اسے استعمال کرسکیں بلکہ لیاری کے فنڈز کئی ہاتھوں سے گزرنے کے بعد اتنے رہ جاتے ہیں کہ بڑی مشکل سے میونسپل اسٹاف کی تنخواہ پر خرچ ہوجاتے ہیں۔

بسوں کے قافلے تیز رفتاری سے آگے بڑھتے رہے۔ کوسٹل ہائی وے پر ہی ایک قصبہ میں ہندو برادری کے پرانے مندر بھی ہیں۔ بلوچستان اور سندھ سے ہندو برادری کی بڑی تعداد یہاں زیارت کے غرض سے آتے ہیں۔

کنڈ ملیر جو ساحل سمندر پر بہترین تفریح گاہ ہے وہ بھی اسی کوسٹل ہائی وے پر واقع ہے۔ یہاں کراچی شہر سے بڑی تعداد میں لوگ پکنک منانے آتے ہیں۔ کچھ ہی آگے ہنگول پارک کا پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ کوسٹل ہائی وے کی بلند پہاڑوں کو جس طرح کاٹ کر راستہ بنایا گیا ہے ان انجینئرز کی مہارت کو دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔ فن تعمیر کے لحاظ سے کوسٹل ہائی وے کی تعمیر کا کام ایک بہت بڑا چیلنج تھا جسے پاکستانی اور چینی انجینئرز اور ورکروں نے قبول کیا اور ایک بہترین ہائی وے کی تعمیر کی۔ ان پہاڑی سلسلوں سے گزرنے کے بعد میدانی راستوں سے ہوتے ہوئے ہم 11 بجے شب اورماڑہ پہنچے۔ اور اسی ہائی وے پر بنی بڑی خوبصورت ریسٹورنٹ پر یہ بسوں کا قافلہ رکا۔ ریسٹورنٹ کی کڑک چائے پی اور تقریباً ایک گھنٹہ آرام کے بعد یہ قافلہ پھر اگلی منزل کے لئے روانہ ہوا۔

زندگی میں ہمیشہ اس مٹی سے انسان کو بہت پیار محبت ہوتا ہے۔ جہاں وہ پیدا ہوتا ہے اور دوم جہاں اس کا گھر بار ہوتا ہے۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ میں پاکستان کے صوبہ سندھ کے شہر کراچی میں پیدا ہوا وہیں تعلیم تربیت حاصل کی۔ لیاری سے مجھے بہت پیار ہے جہاں بچپن اور جوانی کے مراحل سے میں گزرا۔ میرا گھر بار وہیں ہے۔ لیکن ایران کے صوبہ سیستان بلوچستان کے سرباز سٹی اپنے گاؤں کڈان آتا ہوں تو اس کی مٹی سے بھی مجھے اتنا ہی

پیار محبت ہے جتنا مجھے لیاری عزیز ہے۔ میری والدہ یہاں مقیم ہیں جہاں پر میری تین بہنیں، دو بھائی اور ان کے بچے، پوتے پوتیاں، اور نواسے نواسیاں یہاں ہیں میرے مرحوم چچا کا پورا خاندان یہاں ہے اور یہ سب ایک خوشحال زندگی گزار رہے ہیں۔

اورماڑہ کے ہائی وے سے تربت اور اطراف کی آبادیوں سے گزر کر ہم صبح سویرے مند پہنچے۔ مند شہر بے توجہی اور کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ یہاں کا ماحول گاؤں کی سطح سے بھی نیچے ہے۔ سڑکیں ندارد اور شہری، طبی، اسکول، کالج کی سہولتوں سے محروم ہیں۔ پانی کنواں کھود کر حاصل کی جاتی ہے۔ آج کے دور کی وہ جدید سہولیات کا تصور ان کے لئے ایک خواب سا ہے۔

سفر کے دوسرے مرحلہ میں مند بارڈر سے راہداری کے ذریعہ ایرانی سرحدی شہر پیشن روانہ ہونے کے لئے بارڈر پہنچے۔ ایمیگریشن اور کسٹم مراحل طے کرنے کے بعد حفاظتی ٹیکہ کے مراکز میں ملیریا سے بچاؤ کے ٹیکے لگائے اور باہر نکل کر دوسری جانب آئے تو وہاں موجود ہمارے میزبانوں نے ہمیں خوش آمدید کہا اور ہم سرباز سٹی کی جانب روانہ ہوئے۔

ایرانی صوبہ سیستان و بلوچستان اور پاکستانی صوبہ بلوچستان کی ترقی کا اگر ہم موازنہ کریں تو ہم ایرانی بلوچستان کو قدرے بہتر پائیں گے۔ وہاں سرحد سے ہی ہموار سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ پیشن شہر کو مند سے بہتر پایا جہاں خوبصورت سرکاری اسکولیں، بینکس، صحت کے مراکز اور سرکاری دفاتر جس ترتیب سے نظر آئے وہ ایک ترقی یافتہ ملک کا بہترین نقشہ پیش کررہے تھے۔

یہ سفر بہت ہی آرامدہ تھا کارڈرائیور قانون کی پاسداری کرتے ہوئے سیکیورٹی بیلٹ باندھنے پر مصر تھا۔ اسلئے ہائی وے پر سیفٹی بیلٹ باندھ کر سفر شروع کیا اور اس دوران ٹریفک پولیس کی جدید کاریں گشت کرتی ہوئی نظر آئیں جو تیز رفتاری پر موقع پر ہی جرمانہ

کرتے ہیں۔ یاد رہے یہاں ڈرائیونگ رائٹ سائیڈ میں ہے۔مختلف دیہاتی علاقوں سے گزرتے ہوئے ہماری کار پہلے جگیکو راور پھر شہرستان سرباز کے مرکزی شہر راسک پہنچی۔

راسک سرباز کا مرکز ہے۔ جہاں تمام سرکاری دفاتر، بینکس، اسکولیں، کالجز، یونیورسٹیز، اور طبی مراکز، 33 بستروں کا سرکاری ہسپتال، پرائیویٹ کلینکس، فارمیسیز، کورٹس، سیکوریٹی اداروں کے آفیسز، نیب کے دفاتر، میونسپل آفیسز موجود ہیں۔ جہاں سرباز کے دیہی علاقوں کے لوگ بڑی آسانی سے آکر تمام سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

راسک شہر سے گزرتے ہوئے خوبصورت پہاڑی سلسلوں اور بڑی بڑی ندی نالوں کو ہائی وے کے دونوں جانب دیکھ کر پاکستان کے سفر کی تھکاوٹ کو ہم بھول چکے تھے۔ ہائی وے کے دونوں اطراف رنگ برنگے خوبصورت پہاڑ اور ندی کے اطراف کھیتی باڑی اور کھجور کے درختوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ موجود تھا۔ ہم 5 گھنٹہ کے سفر کے بعد اپنی منزل کڈان پہنچے جو قلات سرباز کے قریب ہے۔

کڈان ویلج اور قلات کی آبادی 7 ہزار نفوس پر مشتمل ہے یہاں کے لوگوں کی اکثریت کاروباری، گورنمنٹ سروسز، اور کھیتی باڑی کے پیشہ سے وابستہ ہیں۔ یہاں خواندگی کا تناسب بہت زیادہ ہے اسکولز، کالجز، اور یونیورسٹیز کڈان اور قلات میں ہیں جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہاں کی حکومت عوام کو علم کے زیور سے آراستہ دیکھنا چاہتی ہے تاکہ وہ ایک اچھی اور مہذب قوم بن کر ابھرے۔ کڈان خوبصورت پہاڑوں کے درمیان اور پہاڑوں کے اوپر بنے خوبصورت عمارات کی وجہ سے اپنی دلکشی کا نقش ہر آنے جانے والے کے دل میں چھوڑ جاتا ہے۔ مکانات کی فن تعمیر اور Standard of living قابل تعریف ہے۔

یہاں پانی اور الیکٹرک کا ایک بہترین نظام ہے۔ 24 گھنٹہ بجلی دستیاب ہے۔ بجلی اور پانی کے ہر دو ماہ بعد مناسب بل آتے ہیں جو پاکستانی روپے میں 2500 کے قریب بنتے ہیں۔

فری ہیلتھ انشورنس کا ایک سائنٹیفک نظام عرصہ دراز سے یہاں رائج ہے جس کے تحت کلینک اور ہسپتالوں میں علاج معالجہ کی مد میں ہیلتھ انشورنس اسکیم کے تحت علاج کے بل کا 95٪ ادائیگی انشورنس کمپنی ادا کرتی ہے اور مریض کو صرف 5٪ ادائیگی کرنا پڑتا ہے۔ یہ ایسے بنیادی حقوق ہیں جو عوام کی فلاح و بہبود اور صحتمند معاشرہ کے لئے ضروری ہیں۔

آبائی گاؤں میں رہ کر جہاں زندگی کی رعنائیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا وہیں یہ تجزیہ ضروری سمجھتا ہوں کہ یہاں شہری زندگی کی بھیڑ بھاڑ سے دور سیاست کے جھنجھٹوں سے آزاد اور نمود و نمائش سے پاک قدرتی ماحول میں لوگ پرامن زندگی بسر کر رہے ہیں۔

دیہات کی ٹھنڈی ہوا، آلودگی سے پاک فضا اور درختوں کے سردسائے نہ صرف صحت افزا ہیں بلکہ روح کا سرور اور دل کو سکون بخشتے ہیں۔ فطرت کے حسین نظارے پردہ سیمین کی تصاویر سے کہیں زیادہ دلکش اور مسرت انگیز ہیں۔ نرمل پانی گاؤں والوں کے لئے امرت سے کم نہیں ہوتا بہتی نہریں جڑی بوٹیوں کے پودوں کے درمیان سے گزر کر پانی کو صحت بخش بناتی ہیں۔

سادگی گاؤں کے لوگوں کا زیور ہوتا ہے ان کے سڈول جسم کو نہ طاعون نے چھاڑا ہے نہ چیچک نے بگاڑا ہے۔ اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ دیہات والوں کی زندگی سر سے پاؤں تک سادگی اور اخلاص کا نمونہ ہے۔

حیا و شرم دیہاتوں کا وصف ہوتا ہے سادگی میں عورتیں بھی مردوں سے کم نہیں ہوتیں۔ یہاں شادیوں کے موقع پر خوشی کا اظہار ضرور ہوتا ہے لیکن شور و غوغا اور ہنگامہ والی

کیفیت نہیں ہوتی ہے۔خوراک سادہ مگر قوت بخش ہوتا ہے جو سامنے آتا ہے سب کا من بھاتا ہے۔دودھ، دہی، لسی، سبزی، دال اور اناج خالص ہوتا ہے۔الغرض دیہات میں زندگی کو بہت سادہ اور پُرلطف پایا۔

اپنے آبائی گاؤں کو چھوڑنے کو دل نہیں کر رہا تھا لیکن یہاں کی پرفضا ماحول سے نکل کر چابہار کی طرف جانا بھی ضروری تھا کیونکہ وہاں میرے عزیز و اقارب بڑی تعداد میں موجود ہیں۔

ساحل سمندر قریب ہونے کی وجہ سے چابہار سٹی کے موسم میں نمی کا تناسب زیادہ ہوتا ہے اور یہاں کی آب و ہوا کو کراچی شہر کی طرح پائیں گے۔ہم اپنے آبائی گاؤں کدان سے صبح ناشتہ کر کے نکلے۔سرباز سٹی سے چابہار تک مسافت تقریبا 3 گھنٹہ کی ہے۔صبح ٹھنڈے موسم میں شروع ہونے والا سفر ہمارے لئے سازگار ثابت ہوا اور ہم شارع کے دونوں جانب لہلہاتی کھیتوں، پہاڑی اور میدانی سلسلوں، اور بڑی بڑی نہروں کا نظارہ کرتے ہوئے دو گھنٹہ کے بعد نو بندیان پہنچے جہاں تجارتی گہما گہمی اپنی عروج پر تھی جس کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ یہ دیہات تجارتی حب ہے اور یہ پاکستانی سرحدی قصبہ کے قریب ہے جہاں دونوں جانب سے تجارتی سامان کاروبار قانونی طریقہ سے ہو رہا تھا۔

یہ دیکھ کر خوشی ہوئی حکومت پاکستان نے اس مشکل گھڑی میں ایرانی حکومت سے اپنے اقتصادی رابطے بحال کئے ہوئے تھے جب کہ دنیا نے ان پر پابندیاں لگائی ہوئی تھیں۔کچھ دیر نو بندیان کے بازار کا چکر لگایا اور پھر تازہ دم ہو کر چابہار سٹی کی طرف روانہ ہوئے۔

چابہار سٹی پہنچنے کے بعد شام کو عزیز و اقارب سے ملاقاتوں کا سلسلہ رات بھر

جاری رہا۔برادر عزیزم عبدالرشید آسکانی نے اپنی رہائش گاہ میں میرے اعزاز میں دعوت طعام کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ایرانی کھانے بہت لذیز اور سادہ ہوتے ہیں جو حفضان صحت کے اصولوں کے مطابق بنائے جاتے ہیں تا کہ ڈاکٹر سے حتی الامکان دور رہا جائے اور اپنی صحت کا خود خیال رکھا جائے۔

امریکہ کی جانب سے ایران پر اقتصادی پابندیوں کے اثرات یہاں ایرانی صوبہ سیستان و بلوچستان پر بھی بہت گہرے دکھائی دیتے ہیں ہر کوئی مہنگائی کا رونا روتا ہے اور یہاں کی کرنسی (تومان) ڈالر کے مقابلہ میں انتہائی کم درجہ پر ہے جس سے یہاں کی حکومت کے اقتصادی مشکلات کا پتا چلتا ہے۔اشیائے خوردونوش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں لیکن ان کے حوصلہ کو داد دینی پڑتی ہے کہ وہ اپنے اصولوں پر قائم ہیں اور ان مشکلات کا جوانمردی سے مقابلہ کر رہے ہیں۔

البتہ ایرانی حکومت کی پالیسیوں کی وجہ سے اقوام عالم کی طرف سے لگائی پابندیوں سے عوام کے لئے مشکلات بڑھ چکی ہیں اقتصادی طور پر کمزور ہونے کا باعث بن گئے ہیں لیکن وہ حوصلہ وجنون اب بھی ان میں باقی ہے۔

آفاقی فلسفہ میں انسانی حقوق ہمیشہ سے بنیادی ضرورت رہے ہیں اور حقوق کے حصول کے لئے کسی بھی خطے یا معاشرے میں انسانی اخلاقیات، انصاف، روایات اور قدرتی طور پر ان سماجی عوامل کا مضبوط اور مستحکم ہونا بہت ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

انسانی حقوق کے نظریے کو اسی وجہ سے معاشرتی طور پر عوامی رائے اور قومی و بین الاقوامی قوانین کی مدد سے نافذ کیا جاتا ہے۔ان قوانین پر بعض ممالک عملی جامہ پہنا کر اپنے عوام کو ان ثمرات کے فوائد پہنچاتے ہیں اور اکثر ممالک ان قوانین کو صرف کاغذی کاروائی تک ہی محدود رکھتے ہیں اور ان کے ثمرات عوام تک نہیں پہنچتے۔

جیسے کہ تعلیم ہر انسان چاہے وہ امیر ہو یا غریب مرد ہو یا عورت ان سب کی بنیادی ضرورت میں سے ایک ہے۔ یہ انسان کا بنیادی حق ہے جسے کوئی چھین نہیں سکتا۔

یہاں ایران میں بچہ/ بچی جب 6 سال کا ہو جائے تو اس کا اسکول جانا قانوناً لازمی ہوتا ہے۔ اسکول میں رجسٹریشن کی رپورٹ وہاں کے ایک ادارہ کو بھیجا جاتا ہے جو نادرا کی طرح ہے جس کے پاس تمام عوام کے اندراجات ہوتے ہیں۔ اسکول میں داخلہ نہ ہونے کی صورت میں باقاعدہ انکوائری ہوتی ہے کہ والدین بچوں کو کیوں اسکول نہیں بھیج رہے ہیں۔ وہاں تعلیم کو بنیادی حقوق کی فہرست میں اولیت پر رکھا گیا ہے جو فری ہے، حکومت تمام بین الاقوامی قوانین پر سختی سے عملدرآمد کراتی ہے تاکہ تعلم و تربیت بنیادی طور پر مضبوط ہو اور نئی نسل ترقی کی منزل طے کرے اور ایک ذمہ دار شہری بنے۔

اگر دیکھا جائے انسان اور حیوان میں فرق تعلیم کی بدولت ہے تعلیم کسی بھی قوم یا معاشرے کے لئے ترقی کی ضامن ہے اور تعلیم ہی ہے جو قوموں کی ترقی اور زوال کا سبب بنتی ہیں۔ تعلیم حاصل کرنے کا مطلب صرف تعلیمی اداروں سے ڈگری لینا نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ تربیت کا عنصر بہت ضروری ہے تاکہ انسان اپنی معاشرتی روایات و اقدار کا خیال رکھ سکے۔

چابہار شہر کے عوام خوش قسمت ہیں کہ انہیں بنیادی حقوق کے لئے جدوجہد نہیں کرنی پڑ رہی ہے بلکہ وہ ایک ذمہ دار شہری بن کر حکومت سے تعاون کر رہے ہیں انہیں میٹھا پانی وافر مقدار میں میونسپل لائنوں کے ذریعے ملتا ہے جس کا بل ہر دو ماہ بعد آتا ہے ساحلی شہر ہونے کی وجہ سے سمندر کے پانی کو میٹھا کر کے قابل استعمال بنایا گیا ہے۔ دوسری جانب پاکستانی صوبہ بلوچستان کی واحد بندرگاہ گوادر سٹی کی حالت کو ہم مختلف پائیں گے یہاں کا پانی کھارا ہے۔ پینے کے لئے لوگ منرل واٹر کی بوتلوں کی صورت میں مہنگے داموں خریدتے

ہیں۔ جو غرباء کی پہنچ سے بہت دور ہیں اور وہ پانی کے لئے ترستے رہتے ہیں۔

یہاں چابہار سٹی میں "آب شیرین کن" پروجیکٹ سے سمندر کے پانی کو میٹھا کر کے پینے کے پانی کے قابل بنایا جاتا ہے۔ اور یہ پانی عوام کو مناسب ریٹ پر سپلائی کیا جاتا ہے۔

اس پروجیکٹ کے کچھ دوستوں سے ملاقات ہوئی جو پروجیکٹ کی کارکردگی سے مطمئن تھے جسکا کنٹریکٹ ایک چابہار کے لوکل فرم کو دیا گیا ہے۔

سہہ پہر اپنے چھوٹے بھائی طارق علی سے ملنے ان کے کیفیٹیریا میں گئے ان کی خیر و خیریت پوچھی اور ان سے کافی دیر تک گپ شپ ہوئی اس ملاقات میں ان کے فیلڈ کے حوالہ سے بات چیت ہوئی اور انہیں اپنے کام میں مطمئن پایا۔

شام کو میرا بھانجہ فاروق مجھے لینے آیا وہ وزارت صحت کے ملیریا اور ٹائیفائیڈ وغیرہ کی روک تھام کے شعبہ میں عرصہ دراز سے آفیسر ہیں۔

وہاں سے ہم چابہار شہر کی سیر کو نکلے چابہار ایک چھوٹا شہر ہے لیکن اس پر حکومت بہت توجہ دیتی ہے کیونکہ عید نوروز کی تعطیلات میں ایران کے دور دراز شہروں سے لوگ یہاں کا رخ کرتے ہیں اور یہ ساحل سمندر پر واقع ایک سیاحتی شہر ہونے کی وجہ سے ملک کے سیاحوں کے لئے نزدیک ترین اور بہترین جگہ ہے۔ حکومت اور تاجر پیشہ افراد کے لئے آمدنی کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔

دریا بزرگ اور کئی ایک تفریحی مقامات اور شاپنگ کمپلیکس اس چھوٹے شہر کی رونق کو چار چاند لگاتے ہیں۔ یہاں پر سمندر کے کنارے آزاد بندر نامی کمپلیکس ہے۔ جو ایک بلند سطح سمندر پر سمندر کے قریب بہترین پروجیکٹ ہے۔ اور اس پروجیکٹ میں 12 کے قریب شاپنگ پلازہ ہیں جہاں مناسب قیمت پر بیرون ملک سے آئے ہوئے

الیکٹرونکس کے سامان اور مختلف اشیاء دستیاب ہیں۔

چابہار سٹی بندرگاہ کی وجہ سے ایرانی بلوچستان کے دوسرے تمام شہروں کی بہ نسبت ایک پرکشش شہر ہے۔اس لئے قرب وجوار کے شہروں اور دیہاتوں سے بڑی تعداد میں تجارت پیشہ لوگ اپنا کاروبار اور گھر بار یہاں منتقل کر چکے ہیں اور ایک بہترین زندگی گزار رہے ہیں۔

دوسرے صوبوں، شہروں اور دیہاتوں سے آئے ہوئے افراد کی وجہ سے مقامی لوگ عدم تحفظ اور احساس محرومی کا شکار ہیں۔ چابہار شہر اور کراچی شہر کے اس بنیادی مسئلہ پر قانون سازی کی ضرورت ہے تاکہ نئے بسنے والوں اور قدیم مقامی لوگوں کے حقوق پر ایک توازن قائم رہے۔

روز افزوں ترقی کی جانب گامزن چابہار شہر میں مذہبی ہم آہینگی اور دوسرے شہروں سے آئے ہوئے لوگوں سے میل ملاپ نے ایک خوبصورت کلچر کو جنم دیا جو ایک مثالی معاشرہ کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ یہاں علم وادب میں روز افزوں ترقی ایک پرامن ماحول کو جنم دیئے ہوئے ہے۔

البتہ ایک طبقہ اب بھی حکومت کی بیرونی پالیسیوں سے نالاں ہے اور اس کی مثبت وجوہات بھی ہیں۔لیکن ٪70 لوگ اقتصادی مشکلات کے باوجود بھی حکومت کے ساتھ کھڑے ہیں اور ان کی پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں۔

یہاں خوبصورت سڑکوں کی صفائی اور دھلائی کے لئے جدید مشینری استعمال ہوتی ہے، حکومت یہاں حفضان صحت کے کاموں کو بہت اہمیت دیتی ہے۔فوڈ انسپکٹرز کی کئی ٹیمیں روزانہ کی بنیاد پر شہر اور دیہاتوں میں تمام تجارتی سنٹرز، دکانوں اور ریسٹورنٹ کا معائنہ کرتے ہیں۔

صفائی ستھرائی کے ناقص انتظام پر کاروبار بند کرایا جاتا ہے۔ یہاں قانون کی پاسداری ہے۔اس لئے ایسے کیس کورٹ میں جاتے ہیں جہاں پر جج انہیں پہلی پیشی پر ہی جرمانہ کرتا ہے اور معافی نامہ داخل کرنے اور آئندہ ایسی شکایت نہ آنے پر انہیں رعایت دی جاتی ہے۔

یہ ایسے قابل قدر اقدامات ہیں جن پر سخت عملدرآمد سے ہی وہ معاشرہ کی اصلاح ہوسکتی ہے۔قانون پر عملدرآمد کے لئے ضروری ہے کہ کرپشن سے پاک ریاست کے تینوں ستون انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ آپس میں باہمی ربط وتعاون قائم کریں اس کے لئے قانون پر عمل کی شروعات ہمیں اپنے اداروں کی اصلاح اور جلد انصاف کی فراہمی سے کرنی چاہیے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے دور میں انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ادارے بنائے گئے ان کے دور میں قوانین پر سختی سے عملدرآمد بھی ہوتا رہا لیکن ہندوستان کی تقسیم کے بعد ھندوستان اور پاکستان دونوں جانب یہ ادارے تو اب بھی موجود ہیں لیکن ان میں باہمی ربط موجود نہیں ہر ادارہ ایک دوسرے سے سوا سیر ہونے کی دوڑ میں قانون بنانے اور اس پر عملدرآمد کرنے میں پس وپیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے کیسوں کے فیصلے کئی سالوں تک نہیں ہوتے اور اگر فیصلے ہوتے ہیں تو ان پر عملدرآمد نہیں ہوتا مقننہ کا کام مسئلہ کی جڑ تک پہنچ کر قانون بنانا اور انتظامیہ کا کام قانون پر عملدرآمد کرنا ہے اور عدلیہ کا کام انصاف فراہم کرنا ہے۔اس کے لئے ضروری ہے ریاست کے ان تینوں ستونوں کو ساتھ مل جل کر شفافیت سے کام کرنا چاہیے۔تب ہی ہم ایک اچھے معاشرہ کی بنیاد رکھ سکیں گے۔قانون دراصل اجتماعی اصولوں پر مشتمل ایک ایسا نظام ہوتا ہے جس کو کسی ادارے (حکومت) کی جانب سے کسی معاشرہ کو منظم کرنے اور اس کو (تضبیط) Control کرنے کے لئے نافذ

کیا جاتا ہے اور اسی پر ہی اس معاشرے کے اجتماعی رویوں کا دارومدار ہوتا ہے۔

اگر الفاظ کو وسعت دی جائے تو یوں کہا جائے گا کہ قانون رسمی یعنی (Official) اصول اور نظمیت (Regulation) کا ایک ایسا نظام ہے جو قانون اساسی (Constitutions) تشریع یعنی وضع قانون (Legislation)، عدالتی رائے یعنی (Judicial opinions) اور اسبق (Precedent) جیسے شعبہ جات عدل و انصاف اور حکومتی تضبیط (Control) پر محیط ہوتا ہے اور اسے معاشرہ پر لاگو کرنے یا نافذ کرنے کے لئے (جب اور جتنی ضرورت پڑے) ریاستی طاقت کو استعمال میں لایا جاسکتا (لایا جاتا) ہے۔ اسلئے یہ اس معاشرے میں بسنے والے ہر فرد کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

چابہار شہر کے خوبصورت شاہراہوں سے گزرتے ہوئے ہمیں ہر Roundabout پر بلوچی ثقافت سے متعلق آرٹ ورک سے بنی بنے ہوئے فن پاروں کو دیکھ کر دلی خوشی اور مسرت حاصل ہوئی اس موقع پر اس شہر کے منتظمین کے لئے دل سے دعائیں نکلتی ہیں جو اپنے ذمہ کا کام بڑی ہی خوبصورتی اور محنت سے کرتے ہیں۔

آرٹ کا ذکر ہو رہا تھا تو ہمارے ایک بھتیجے عبدالباسط شیخی کا آرٹ انسٹیوٹ یہاں چابہار کے ایک مشہور شارع پر واقع ہے ان سے ملنے انسٹیوٹ آگئے اور ملاقات کی وہ اپنے اس انسٹیوٹ میں یوتھ کو فن خطاطی سے لے کر فن آرٹ کے قدیم اور جدید 3D آرٹ تک سے روشناس کراتے ہیں۔ کچھ دیر ان کے ساتھ رہے اور ان کے فن پاروں کو حیرت سے دیکھتے رہے اسی اثناء میں ایک پورٹریٹ نے مجھے محو حیرت کر دیا وہ میری تصویر تھی جو انہوں نے میرے یہاں آنے کی خبر پر پہلی ہی فرصت میں بنائی تھی۔ میں نے اس نادر تحفہ پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

باب۔۵۶

کراچی کی خوبصورتی پر ناز

اپنے دوسرے وطن ایرانی صوبہ سیستان و بلوچستان کے دیہاتوں اور شہروں کی جب میں تعریف کرتا ہوں تو میرے دوست احباب اکثر مجھ سے کہتے ہیں کہ آپ کی پیدائش کراچی کی ہے اور آپ کا بچپن کراچی میں گزرا آپ کراچی سے ایران جا کر وہاں کے خوبصورت دیہاتوں اور شہروں کی جتنی بھی تعریف کریں۔ لیکن آپ کراچی کو کبھی بھی اپنے دل سے نہیں نکال سکتے یہی اس شہر کی خوبصورتی ہے۔

کئی عشروں سے یہ شہر محبت، روشنی اور صبر و ہمت کا پیکر سمجھا جاتا ہے۔ ساحل سمندر پر ہونے کے باعث اس کی اہمیت نسبتا باقی شہروں سے بڑھ جاتی ہے۔ اس کو روشنیوں کا شہر، شہروں کی دلہن کہا جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قائد کا شہر ہے بانی پاکستان کی جائے پیدائش یہیں ہے۔

کراچی میں رہنے والے اپنے خوبصورت ساحل پر ناز کرتے ہیں کی جس خوبصورتی میں اضافہ وقت کے ساتھ ساتھ ہو رہا ہے۔ ایک جانب دو دریا پوائنٹ پر ٹھاٹھیں مارتی موجیں، عمدگی اور خوبصورتی سے سجی کھانے کی میزیں ایک ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔ یہاں چاند کی روشنی اور ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں میں عمدہ کھانا یقینا ایک ناقابل بیان حد تک خوبصورت احساس ہے۔ میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ کراچی کا نعم البدل کوئی شہر نہیں لیکن جب میں اپنے آبائی ملک ایران آتا ہوں تو اپنے گاؤں کدان کے لوگوں سے اتنا ہی پیار کرتا ہوں جتنا لیاری کے لوگوں سے ہے اس لئے اس کو اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں دو کشتی کا مسافر ہوں اور مجھے دونوں عزیز ہیں۔

آج چابہار سے متصل کئی ساحلی علاقوں کا سفر کیا۔ جس میں قابل ذکر رمین اور

بریس کے دیہی علاقے ہیں۔ یہاں کے ساحلوں پر دور دراز سے لوگ تفریح کی غرض سے آتے ہیں اور یہاں کے پرسکون ماحول سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ان ساحلوں کی آبادی زیادہ تر ماہگیروں اور تجارت کے پیشہ سے وابستہ افراد پر مشتمل ہے۔لیکن ان کی اولادوں کو اسکولوں، کالجوں، اور یونیورسٹیوں میں جاتے دیکھتے ہیں تو یہاں کے لوگوں کا مستقبل روشن نظر آتا ہے۔اور یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہوتا کہ ایک دن یہی بچے/ بچیاں علم وادب میں ایک بڑا نام پیدا کرینگے۔

رمین (Rameen) خوبصورت ساحلی قصبہ اور اطراف میں سمندر میں گرا ہوا لینڈ ہے۔ جہاں پر لوگ اکثر چھٹیوں کے ایام میں آکر مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں، وہ اپنی مصروفیت میں سے کچھ وقت ذہنی سکون حاصل کرنے کے لئے ساحل پر گزارتے ہیں۔

یہاں کے لوگوں کو بہت مہمان نواز پایا۔ان کے مکانات قدیم فن تعمیر کا نقشہ پیش کررہے تھے یکا دکا ماڈرن فن تعمیر بھی نظر آیا۔ یہاں کی حکومت اپنے شہروں اور قصبوں پر مساوی توجہ دیتی ہے۔جس سے یہاں پر بھی ترقی کی جھلک نظر آتی ہے۔

بریس (Bress) بھی ساحل سمندر پر واقع ایک خوبصورت قصبہ ہے۔ یہاں کی سڑکیں، اسکولز اور حفظان صحت کے مراکز ایک بہترین مستقبل کی نوید سناتے ہیں۔

ایران کے تمام شہروں اور قصبوں میں نوٹوں کا رجحان کم ہو رہا ہے۔ امیر اور غریب حتیٰ کہ فقیر کے پاس بھی کریڈٹ کارڈ ہے۔جس کے ذریعہ وہ سامان خریدتا ہے۔

یہاں سبزی، پھل فروٹ والوں اور تمام دکانوں میں کریڈٹ مشینیں بینکس نے مہیا کی ہوئی ہیں۔ مشین سے تاجر اپنا تمام کاروبار کرتے ہیں جو نوٹوں کے ذریعے کاروبار سے زیادہ محفوظ اور جدید دور کی مناسبت سے احسن اقدام ہے۔

بریس کی آبادی بہت کم ہے لیکن یہاں پر بھی سپر مارکیٹ اور ریسٹورنٹ کا رواج

عام ہے۔ ہمارے ایک عزیز عبدالحمید ملیری نے حال ہی میں ایک ریسٹورنٹ یہاں کھولا ہے۔ دراصل بریس آنا بھی ان سے اور ان کی فیملی سے ملنے کا ایک بہانا تھا۔ انہوں نے بریس کے لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے بتایا یہاں کے لوگ بہت سیدھے سادے ہیں۔

ان کے ریسٹورنٹ کے بزنس کو ہم نے کچھ دیر وہاں بیٹھ کر دیکھا اور بہت اچھا پایا۔عبدالمجید ملیری برادران کی العین ابوظبی میں ہوٹلنگ بزنس تھی اور وہ اس کا تجربہ رکھتے ہیں اور تمام کاموں میں ایک چیز جو Common ہے وہ برداشت اور وقت دینا ہے۔تب ہی کوئی کام خوبی سے پایہ تکمیل پر پہنچتا ہے۔

بلوچستان کے ساحلی علاقوں کا زکر پہلے میں کر چکا ہوں جس میں کچھ عجیب پہاڑی سلسلوں کا ذکر رہ گیا ہے جو رمین اور بریس کے درمیان واقع ہیں یہ پہاڑ بلکل اسی طرح کی ہیں جو مریخ میں پائی گئی ہیں۔ یہاں پر سیاح یورپ اور کئی ممالک سے آکر ان ''مریخی پہاڑوں'' پر تحقیق کرتے ہیں اور تصاویریں بھی بناتے ہیں۔

بریس (Bress) کے ساحلی علاقہ میں ایرانی حکومت کی سرپرستی میں فشنگ انڈسٹری گزشتہ کئی سالوں سے بڑی پیش قدمی کررہی ہے اور ترقی کی جانب گامزن ہے جس سے وہاں کے عوام کے لئے روزی روزگار (نوکری) کے مواقع ہر سال پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

یہاں ٹین پیک سی فوڈز کی فیکٹریاں بھی کئی سالوں سے کام کررہی ہیں جہاں ملک کے تمام شہروں اور قصبوں کو پیک ٹین میں مچھلیاں سپلائی کی جاتی ہیں اور بیرونی ممالک کے لئے بھی خوبصورت ٹین پیک میں مختلف اقسام کی مچھلیاں برآمد کی جاتی ہیں۔جس سے صوبہ سیستان وبلوچستان کی حکومت کو ان کی برآمد سے اچھا خاصہ زرمبادلہ حاصل ہوتا ہے۔

بریس کی آبادی تقریباً 5000 کے لگ بھگ ہے۔ جمعہ کا دن بھی ہم نے بریس

میں ہی گزارا جہاں ہم ہیلتھ ڈپارٹمنٹ کے آفیسر ڈاکٹر داداللہ کلمتی کے گھر مہمان تھے۔ان سے ماضی اور حال کے پاکستان اور ایران کے تجارتی امور پر بھی بات چیت ہوئی انہوں نے بڑی معلومات فراہم کیں۔ان کا کہنا تھا سرحدی ساحلی شہر گواتر میں زمانہ قدیم میں 72 کے قریب ہندوؤں کی دکانیں تھیں اور ان کا تجارتی سامان کراچی سے جیونی وہاں سے سمندر کے راستے دوطرفہ محصولیات دے کر ان تک پہنچتا تھا۔لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ٹیکسیز بڑھنے اور غیر قانونی عناصر کے ان محصولیات کے حصول کے لئے تگ و دو بڑھنے سے خوف کا سایہ یہاں کی تجارتی برادری پر منڈلایا۔اور یہ ہندو برادری کام بند کر کے یہاں سے چلے گئے۔ایک اور سوال کے جواب میں ڈاکٹر داداللہ کلمتی نے بتایا کہ ایرانی صوبہ سیستان و بلوچستان میں ملیریا کا خاتمہ ہو چکا ہے اور ڈینگی کے مچھر یہاں پر نہیں ہیں اور ٹائفائیڈ کا بھی یہاں کوئی وجود نہیں ہے۔

ملیریا، ڈینگی، اور ٹائیفائیڈ میں مبتلا مریض پاکستان سے یہاں پہنچتے ہیں۔جن کی تصدیق فری ٹیسٹ کے ذریعہ کی جاتی ہیں۔ان کو مفت ادویات فراہم کی جاتی ہے۔اور ہم ان مریضوں کے بارے میں عالمی صحت کے ادارہ کو رپورٹ کرتے ہیں۔تاکہ وہ اس کی روک تھام کے لئے ہمسایہ ممالک کو خبردار کر سکیں۔

سفر بلوچستان میں ساحلی علاقوں کی سیر و سیاحت میں چابہار بندرگاہ سے رمین، بریس سے ہوتے ہوئے پسابندر ہم آ پہنچے۔یہ ایک چھوٹی سی خوبصورت بندرگاہ ہے جہاں سے ماہیگیری کی لانچیں سمندر کی طرف شکار کے لئے جاتی ہیں۔اس کے اردگرد تفریحی مقامات ہیں جہاں لوگ بڑی تعداد میں ویک اینڈ پر پکنک منانے آتے ہیں۔جمعرات اور جمعہ کو اسکولوں کی تعطیل ہوتی ہے اس لئے بہت ساری فیملیاں چھٹی کا دن گزارنے یہاں آتے ہیں۔بہت پیارا موسم ہے۔سردی کی اتنی شدت نہیں ہے جو شہرستان سرباز میں تھی۔

گرمی میں یہاں بلا کی گرمی پڑتی ہے۔لیکن گھر بار، کاروں، دکانوں اور ریسٹورنٹس میں ہر جگہ ائرکنڈیشنڈ کے استعمال کی وجہ سے لوگوں کو گرمی کی شدت کا احساس نہیں ہوتا۔

ہم پکنک منانے کی غرض سے یہاں کھانے پینے کی اشیا کے ساتھ آئے تاکہ پکنک کا بھرپور مزہ لیا جائے۔سمندر میں بھرپور طریقہ سے نہا کر، بعض ٹہل کر اور کچھ لوگ ساحل سمندر کی مسرور کن موجوں کی دھنوں سے سمندر کے نزدیک بیٹھ کر انجوائے کر رہے تھے اور اکثریت ہماری طرح اپنے ساتھ سیک کباب بنانے کا سامان لائے ہوئے تھے وہ اپنا لنچ بنانے کی تیاری میں مصروف تھے۔

یہاں سے ایک گھنٹہ کی مسافت پر ایرانی ساحل کا آخری قصبہ گواتر ہے۔جہاں سے ہم پاکستانی ساحلی شہر پسنی اسٹیم بوٹ کے ذریعہ آدھے گھنٹہ میں پہنچ سکتے ہیں۔گواتر اور پسنی کے ماہیگیروں کے رشتہ دار دونوں اطراف رہائش پزیر ہیں اسلئے سفر اسٹیم بوٹ کے ذریعے ہی طے پاتا ہے۔

سمندر سے دونوں ممالک کو جس طرح سے فائدہ اٹھانا چاہیے تھا اس طرف دونوں جانب سے توجہ کم ہے۔سمندر کے راستے بڑی کشتیوں کے ذریعہ دونوں ملکوں کے لوگوں کو سفری دستاویزات پر آنے جانے کی سہولتیں میسر ہوں تو کراچی اور گوادر سے چابہار سٹی تک رسائی کم وقت میں آسانی کے ساتھ ممکن ہے۔کشتیوں کے ذریعہ دونوں ملکوں کے درمیان دوطرفہ تجارت کو بھی فروغ دیا جاسکتا ہے تاکہ باہمی اشیاء کی تجارت سے روزمرہ کی مہنگائی کو بھی کنٹرول کر سکیں۔

ایران کے صوبہ سیستان و بلوچستان کا یہ طویل سفر کر کے میرا اپنے آبائی گاؤں کو آنا اور اس کے بعد دوسرے دیہاتوں اور شہروں کی سیر و سیاحت کرنے کا اہم مقصد اپنے عزیز و اقارب، دوست احباب سے ملنا تھا لیکن ساتھ ساتھ سیر و سیاحت بھی ایک تندرست

اور صحت مند انسان کے لئے بہت ضروری ہے۔ سیر و سیاحت نہ صرف تفریح کا ذریعہ ہے بلکہ جسمانی اور ذہنی صحت کے لئے بھی بہت مفید ہے۔

سفر کرنے سے ہمیں ہر علاقہ کی ثقافت وہاں کے کھانوں، نئے ماحول کو دیکھنے اور مختلف زبانیں سننے اور بولنے جیسی دماغ کی نشونما کرنے والی سرگرمیاں انجام دینے کا موقع ملتا ہے۔ سیر و سیاحت سے ہمارا دل بھی صحتمند رہتا ہے۔

اس لئے چابہار شہر اور اس کے گرد و نواع کے ساحلی علاقہ کی سیر و سیاحت کر کے اور اپنے عزیز و اقارب سے ملاقات اور ان کے پاس کچھ دن رہ کر اور ایرانی بلوچستان کے بنے ہوئے خاص ولذیز کھانوں کا لطف اٹھا کر اب ہماری اگلی منزل ایرانشہر سٹی تھی جہاں جانے کے لئے بذریعہ کار روانہ ہوئے۔ چابہار سے ایرانشہر کا فاصلہ تقریبا ساڑے تین گھنٹہ کا ہے۔ کشادہ ہائی وے اور سڑکوں کے دونوں جانب میدانی، پہاڑی علاقوں اور سرسبز کھیتوں اور بہتے نہروں کے پُرکشش نظاروں کا مزہ لیتے ہوئے ہم ایرانشہر سٹی پہنچے۔

ایرانشہر ایک تاریخی شہر ہے جہاں زیادہ تر دو یا تین منزلہ عمارتیں ہیں یہاں پرانی عمارتیں اپنی تاریخی ورثہ کی نشانی کے طور پر قائم اور محفوظ تھیں۔ ایک بڑا قلعہ جو شہر کے وسط میں قدیم تاریخ کا نقشہ پیش کر رہا تھا بادشاہی ادوار میں یہاں کے حکمرانوں کے استعمال میں یہ رہا ہوگا تاریخی ورثہ کی حیثیت سے اسے یہاں کی حکومت نے مرمت اور تزئین کر کے پہلے والی حالت میں سنبھال کر رکھا تھا۔ جس سے یہ پتا چلتا ہے کہ یہاں کی حکومت اپنے عوام کی خدمت کے ساتھ ساتھ اپنے تاریخ و تمدن کی حفاظت ان پرانی عمارات کی رکھوالی کو بھی بہت اہمیت دیتی ہے۔

ایرانشہر میں اہل تشیعہ اور اہل سنت دونوں بھائی چارگی اور جس امن و آشتی سے اپنی زندگی کے دن گزارتے ہیں وہ واقعی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان میں فرقہ فرستی جیسی

بدبودار نام کی کوئی چیز ابھی تک گھر نہیں کر پائی ہے۔

مساجد اور امام بارگاہیں ایرانشہر میں ہر شارع یا قصبوں میں ایک ساتھ دیکھیں گے جہاں دونوں فرقہ کے لوگ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کا احترام دل سے کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں برادرانہ جذبہ کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ یہاں میں لیاقت آسکانی کے ساتھ ایک دوست کے پاس مہمان تھا۔

ہم جب وہاں پہنچے تو کچھ اور مہمان بھی بیٹھک میں خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ محفل بہت گرم تھی۔ چونکہ شام واپس سرباز جانا تھا اس لئے لیاقت کی درخواست پر انہوں نے کھانا لگوایا جس میں کئی ایرانی ڈشز تیں اور کھانوں کے ساتھ کولڈ رنک بھی پیش کیا گیا جسے فارسی میں نوشابہ کہتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد ہم وہاں سے رخصت ہوئے اور ایرانشہر کے پرانے بازار جو قلعہ کی طرف تھا وہاں ونڈو شاپنگ کے لئے بازار میں ایرانی اور پاکستانی اشیاء کی قیمتیں پوچھتے رہے اور جن چیزوں کی لسٹ گھر والوں نے مجھے دی تھی ان میں سے کچھ خریداری کی۔ ایرانشہر سٹی کے سڑکوں کی صفائی، خوبصورتی اور ہر علاقے میں موجود خوشنما پارک بہت پیارے لگے جہاں بڑی تعداد میں فیملیز اپنے بچوں کے ساتھ شام کو تفریح کی غرض سے آتے ہیں جس پر شام کی رونقیں اور پارک میں لگی خوبصورت لائٹنگ ایک جدید معاشرہ کا تصور پیش کرتے ہیں۔

شام ڈھلنے سے پہلے ہم ایرانشہر سٹی سے اپنے آبائی شہر سرباز روانہ ہوئے اور تقریبا ڈیڑھ گھنٹہ کی مسافت کے بعد ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

مجھ کو پانا ہے تو مجھ میں اتر کر دیکھو
یوں کنارے سے سمندر دیکھا نہیں جاتا

ایک خوشگوار سفر صوبہ سیستان و بلوچستان جس میں شہرستان سرباز، چابہار شہر اور

ایرانشہر سٹی کے بعد اگر صوبہ سیستان و بلوچستان کا دارالخلافہ زاہدان نہ دیکھا تو بقول لاہوریہ بندہ جمیا نہیں۔

زندگی میں میں نے کئی ممالک کی سیر کی ہے اور ان سیر و سیاحت کا حاصل بیان کروں تو وہ یہ ہے کہ زندگی کے تجربات میں نئی منزلیں شامل ہونے کو ملتی ہیں۔انسان خوبصورت، حسین وصحت افزاء مقامات کی سیر سے تندرست وتوانا رہتا ہے اور ذہنی طور پر کچھ اچھا اور مثبت کرنے کی سوچ اس کے ذہن میں اجاگر ہوتی رہتی ہے۔

صوبہ سیستان و بلوچستان کی سیر و سیاحت کے آخری مراحل میں زاھدان سٹی پہنچے۔ یہ ایک بہت خوبصورت تاریخی شہر ہے جو اسلامی کلچر کو فروغ دینے والے علمی و ادبی اسکالرز اور عظیم شخصیات کا شہر ہے۔زاھدان ائرپورٹ سے اندرون ملک پروازیں شیڈول کے مطابق ہوتی ہیں۔ یہاں پر اس بات کا اضافہ کرتا چلوں کہ چابہار شہر اور ایرانشہر میں بھی ائرپورٹس ہیں۔ جہاں اندرون ملک آمدورفت ہوتی رہتی ہے۔زاھدان کی جامع مسجد بڑی خوبصورت اور جدید اسلامی طرز تعمیر کا بہترین نمونہ ہے۔ یہاں ایک بڑا دارالعلوم بھی ہے جہاں اندرون ملک اور بیرون ممالک سے طلباء آکر دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

یہاں کے مقامی لوگ زیادہ تر تجارت کے پیشہ سے وابستہ ہیں اور اقتصادی پابندیوں کے باوجود ایک اچھی باوقار زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔ یہاں دینی تعلیم کا رجحان زیادہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیز بڑی تعداد میں ہیں اور ہزاروں طلباء و طالبات ہر شعبہ میں اپنا درس جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان یونیورسٹیوں سے ڈاکٹرز، سائنسدان، انجنیئرز، وکیل اور ہر شعبہ سے وابستہ ہزاروں کی تعداد میں مقامی اور ملک بھر اور بیرون ملک سے آئے ہوئے طلباء وطالبات فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔اسلامی جمہوریہ ایران کے قوانین کے مطابق نوجوانوں کے لئے فوجی ٹریننگ

لازمی ہے۔ جو تقریباً ڈیڑھ سال کی ہوتی ہے۔اس ٹریننگ میں انہیں اپنے شعبہ زندگی کے دوسرے صوبوں کے مراکز میں بھیجا جاتا ہے تاکہ حاصل تجربات کی روشنی میں ان کی ذہنی نشونما ہو سکے اور انہیں شعور آگاہی سے روشناس کیا جا سکے۔

یہاں کے بازار بھی قدیم اور جدید کا سنگم پیش کرتے ہیں۔قدیم بازاروں میں تجارتی چہل پہل نظر آتی ہے۔ اور نئے شاپنگ مالز خوبصورت ایرانی کلچر کا نمونہ ہیں جو تجارتی میدان میں قدیم بازاروں کے شانہ بشانہ آگے کی جانب رواں دواں ہیں۔

صوبہ سیستان بلوچستان کے تمام سرکاری محکموں کے تمام مرکزی دفاتر زاھدان میں ہیں۔اسی طرح بینکوں اور سیمی گورنمنٹس اور پرائیویٹ اداروں کے مرکزی دفاتر بھی یہیں ہیں۔

گورنر ھاؤس اور وزراء کے رہائشی بلاکس بھی زاھدان کے خوبصورت علاقوں میں ہیں۔ دارالخلافہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے شاہراہوں کی خوبصورتی اور صفائی پر مقامی میونسپل کارپوریشن خصوصی توجہ مرکوز کئے ہوئے ہے۔

صوبہ سیستان بلوچستان کی اچھی اور خوشگوار یادیں سمیٹے میں اپنے بھائی اور والدہ ماجدہ کے ہمراہ مند بورڈر کے راستہ واپس بذریعہ بس کراچی کے لئے روانہ ہوئے۔

علم وادب میں جہاں دنیا نے اس صدی میں بے حد ترقی کی ہے وہیں پاکستان بھی اس شعبہ میں ان کے شانہ بشانہ ترقی کر رہا ہے۔اس کی مثال میں اپنے خاندان کا دوں گا جہاں پر نئی نسل اعلی تعلیم کے حصول کے لئے کراچی کے تاریک دور کو شکست دے کر ایک بہترین مستقبل کے لئے دنیا کی اس دوڑ میں شامل ہے۔

❁❁

اپنی بیٹی پر فخر

میری بیٹی ڈاکٹر مریم آسکانی ان میں سے ایک ہیں جنہوں نے اعلی تعلیم کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور مشکلات کے باوجود اپنی تعلیم کے آخری سمیسٹر کے امتحانات کی تیاریاں مکمل کی تھیں اس دوران انہوں نے مجھے آکر بتایا کہ اپنی تعلیم کو مزید اور وسعت دینے کے لئے کراچی کے علمی مرکز کراچی یونیورسٹی سے Mphil کے لئے داخلہ ٹیسٹ دینا چاہتی ہیں تاکہ اعلی تعلیم کو آگے بڑھانے کے لئے Master of Pharmacology's کرسکیں۔ میں نے حمایت کی اور اجازت دی کہ وہ اپنی تعلیم کو جاری رکھیں۔ انہوں نے اپنے Mphil کے ٹیسٹ اور کامیاب انٹرویو دے کر اور اپنی کوششوں سے داخلہ لے کر سب کو حیران کر دیا اور جب D.pharm کے رزلٹ آئے اور وہ کامیاب ہوئی تو وہ پورے خاندان میں پہلی اعلی تعلیم یافتہ فرد کی حیثیت حاصل کر گئیں جنہوں نے ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی۔ وہ ایک یادگار دن تھا جب میں نے اپنی فیملی کے ساتھ کانووکیشن میں شرکت کی اور انہیں اس موقع پر ایک بڑی کامیابی پر مبارکباد دی۔

جو والدین یہ دیکھنا چاہتے ہیں وہ اپنی مختصر زندگی میں کس قدر کامیاب ہیں تو اس کا اندازہ وہ اپنے بچوں کو دیکھ کر لگا سکتے ہیں اگر بچے اخلاقی طور پر اچھے ہیں تو یہی والدین کی حقیقی کامیابی ہے۔ یہ بچے کی کامیابی اور ناکامی پرکھنے کا حقیقی پیمانہ ہے۔ اس لئے والدین کو چاہیئے وہ اعلی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو گھروں کے اندر بہترین ماحول کی تشکیل کے ذریعہ نیک کردار اور ادب و آداب کی تعلیم دیں۔ گھر کا ماحول سب سے اہم ترین عنصر ہے جو بچے کی زندگی پر اپنے گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ ہم ٹیکنالوجی کے دور میں

رہتے ہیں اور اس ٹیکنالوجی نے ان بچوں کی پرورش و تربیت سمیت زندگی کے ہر شعبے میں اپنی حد سے زیادہ عمل دخل قائم کر لیا ہے۔ یوں والدین کے لئے بچوں کی پرورش کی ذمہ داریاں پہلے کے مقابلہ اب کئی گنا بڑھ گئی ہیں۔

موسم سرما دسمبر 2016 کی بات ہے جب اسلام آباد میں ایک سائنسی میلے کا انعقاد ہوا اور جدت و ممتاز، کاروباری ایجادات کا مقابلہ رکھا گیا جس میں پاکستان بھر کی یونیورسٹیوں کی ٹیموں نے اپنے بنائے ہوئے حیرت انگیز ایجادات کے ساتھ شرکت کی۔

اس تقریب میں کراچی یونیورسٹی کے ڈاکٹر پنجوانی سنٹر PCMD کی 8 ممبران پر مشتمل ٹیم نے بھی حصہ لیا جس میں مریم آسکانی بھی شامل تھی۔ انہوں نے ایک ایسا آلہ بنا کر پیش کیا جو کسی دل کے مریض کو دل کا دورہ پڑنے سے پہلے مریض کی کیفیت کو سگنل کے ذریعہ ان کے دیئے ہوئے 5 اشخاص کے نمبروں پر اس کی بیماری اور اس جگہ کے بارے میں مطلع کرتا ہے جہاں وہ بیمار موجود ہے۔ اس طرح سے اس مریض کو وقت پر ہسپتال پہنچانے میں مدد مل سکتی ہے۔ اس مقابلہ میں پاکستان بھر کی یونیورسٹیوں نے بہترین ایجادات اس میلہ میں رکھی تھیں۔ لیکن جب فائنل مقابلہ ہوا تو کراچی یونیورسٹی کو پہلا انعام ملا جس کی ٹرافی کراچی یونیورسٹی کی ٹیم کو دی گئی اور ایک لاکھ روپے کا نقد انعام بھی دیا گیا۔ انہیں بحیثیت طالبہ شعبہ ICCBS کراچی یونیورسٹی اس کامیابی پر یہ پہلا اعزاز حاصل ہوا جس پر ہمیشہ فخر رہے گا۔

کامیاب زندگی کا راز پر اعتمادی میں پوشیدہ ہے۔ جیسے جیسے انسان کے دل میں زندگی کا مقصد واضح ہوتا جاتا ہے ویسے ویسے اس کے اعتماد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ ہر انسان کسی نہ کسی نظریہ کی تلاش میں رہتا ہے جب اس کا نظریہ اسے مل جائے تو اس کے بعد

اس کے ذہن اور سوچ میں ٹھہراؤ آجاتا ہے۔ یوں اس کی شخصیت میں ایک اعتماد آتا ہے۔ لہذا اگر آپ کے ذہن میں اپنا نظریہ اور مقصد واضع ہے تو پھر آپ کے لہجے میں بھی اعتماد موجود ہوگا۔ یوں آپ جب اپنی بات کرتے ہیں تو مخاطب اس کو سنتا بھی ہے کیونکہ وہ آپ کے لہجے کے اعتماد کو محسوس کرتا ہے پھر آپ کے الفاظ کو بھی سمجھتا ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں کا اپنی زندگی گزارنے کا مقصد ان کے ذہن میں واضع نہیں ہوتا تو ان کے لہجے میں بھی اعتماد کی کمی محسوس کریں گے لہذا اردگرد کے لوگ ان کی باتوں میں کشش محسوس کر نہیں پاتے۔ اسی سلسلے کی دوسری کڑی یہ ہے کہ جو بھی آپ کا نظریہ یا مقصد ہو اس پر آپ کو پختہ یقین ہو اور اس حوالے سے مکمل علم رکھتے ہوں۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ کبھی بھی دو کشتیوں کے سوار نہ بنیں۔ دو کشتیوں کا سوار کبھی بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ پاتا۔ لہذا تعلیم ہو یا کیئریئر یا پھر زندگی کا کوئی اور موقع اپنے ذہن کو ایک نکتہ پر یکسو رکھنا بہت ضروری ہے یوں آپ کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہوجائے گا۔

میرے وضع کردہ اصولوں پر کاربند رہتے ہوئے بیٹی مریم آسکانی اپنی تعلیم و تربیت کو اس کے پیراہن میں ڈال کر زندگی کی دوڑ میں شامل تھیں۔ ان کی تمام تر توجہ اعلی تعلیم کا حصول رہا ہے تاکہ وہ ایک اچھی زندگی کا تصور لے کر علم و ادب اور تربیت کے میدان میں انقلاب لائے اور ایک مشعل راہ کا کردار ادا کر سکے۔

❁❁

باب۔۵۸

سوشل لائف کا آغاز

میں نے اپنی سوشل لائف کا آغاز 14 اگست 2017 کو کیا جب میں پہلی بار لیاری میں ڈریمز آف ورلڈز کی تقریب میں مہمان خاص کی حیثیت سے شریک ہوا وہاں میری ملاقات سرجاوید سلاٹ اور شہزاد کھتری سے ہوئی وہ وہاں اپنی آرگنائزیشن اسٹرگل فار سوسائٹی کی طرف سے مدعو تھے۔ ان کی خواہش تھی میں سوشل فیلڈ میں آؤں اور ان کی تنظیم سے اپنے کیریئر کا آغاز کروں۔

اسٹرگل فار سوسائٹی آرگنائزیشن ایک نان پروفیٹ ادارہ ہے جس کا مقصد یوتھ کی اسکل بلڈنگ اور انہیں شعور آگاہی دینا اور میڈیکل ایڈ کیمپ کا انعقاد، نادار لوگوں کی اعانت اور صحتمندانہ سرگرمیوں جن میں میوزیکل اور کھیلوں کی سرگرمیوں کا انعقاد کرنا تھا۔ میں نے بحیثیت رکن اس تنظیم سے اپنی سوشل جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس تنظیم کی بنیاد 2016 میں شہزاد کھتری اور غلام محمد بلوچ نے رکھی تھی۔ اس تنظیم میں شامل ہونے اور کئی ایک کامیاب پروگراموں کی وجہ سے اسٹرگل فار سوسائٹی کی انتظامی کمیٹی نے مجھے متفقہ طور پر چیئرمین شپ کی آفر کی اس کی اہم وجہ جو میرے سمجھ میں آئی وہ تین ماہ کے دوران میری اسٹرگل تھی جو میں نے اس تنظیم کے لئے کیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے اس تنظیم کا نام روشن کیا۔

میں نے یہ آفر قبول کی اور بحیثیت چیئرمین اسٹرگل فار سوسائٹی آرگنائزیشن کے بینر تلے کام کیا اور بہت کم عرصہ میں ایک نام پیدا کیا۔ پورے کراچی میں سوشل لائف میں سرگرم لوگوں سے اچھی علیک سلیک ہوئی۔ تنظیم کے لئے اپنی خدمات کو میں سوشل میڈیا کے

ذریعہ اجاگر کرتا رہتا تھا اس طرح میرے فیسبک دوستوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا جن میں علم وادب اور سوشل لائف سے وابستہ لوگوں کی بڑی تعداد شامل تھی جن سے اکثر شہر کے پروگراموں میں ملاقات ہوتی رہتی تھی اور وہ لیاری کے حوالہ سے میری سوشل خدمات پر ہمیشہ ہمت افزائی کرتے تھے جن میں قابل ذکر بابائے تعلیم عبدالمجید ابدانی، اشوک کمار سیجوانی، ڈاکٹر ہیرالال لوہانہ، محمد اکبر، شکیل بیگ وغیرہ۔ ان کی ہمت افزائی سے میرا حوصلہ بڑھتا رہا۔

سوشل میدان میں متحرک رہنے کی وجہ سے لیاری کی ایک علمی شخصیت نے مجھ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ پیغام تنظیم کے صدر شہزاد کھتری نے مجھے دیا کہ روز ایجوکیشنل سوسائٹی کے ڈائریکٹر کی خواہش ہے کہ وہ آپ سے ملیں۔ اس ملاقات کا ایجینڈا پہلے سے نہیں بنایا گیا تھا اسلئے میری اورانور بھٹی صاحب کی یہ پہلی ون ٹو ون خیرسگالی ملاقات شام کے وقت ان کے آفس میں ہوئی وہ بڑی گرمجوشی سے ملے ایسا لگا کہ دو قریبی دوست برسوں بعد ملے ہوں۔ ان کی شخصیت بہت ہی متاثر کن تھی اور چہرے پر ان کی مسکراہٹ سے اندازہ ہوا وہ ایک زندہ دل انسان ہیں۔

ان سے ملاقات سے پہلے ان کی ایکٹیوٹیز سے فیسبک کے ذریعہ میں متعرف تھا۔ اور میری بھی یہ دلی تمنا تھی کہ لیاری کی چند اہم شخصیات سے ملوں اور ان کی صحبت میں کچھ وقت گزاروں۔ قدرت کو بھی شاید یہ منظور تھا۔

پہلی ہی ملاقات میں بھٹی صاحب نے مجھے آفر دی کہ بحیثیت ڈپٹی ڈائریکٹر روز یوتھ پوائنٹ چاکیواڑہ کا چارج سنبھالوں اور ایک مرکز میں بیٹھ کر یوتھ کے لئے کام کروں۔ بھٹی صاحب کے الفاظ میں وزن تھا لیکن میں بحیثیت چیئرمین اسٹرگل فارسوسائٹی سے

منسلک تھا اس لئے میں نے بھٹی صاحب سے کچھ وقت مانگا تاکہ میں اپنی تنظیم کے لوگوں سے صلاح مشورہ کروں۔ اسی دوران بھٹی صاحب نے مجھے کہا کہ اگر آپ اس پوسٹ کے لئے راضی ہوئے تو تنخواہ کتنی لیں گے؟ اس سوال پر میرا جو جواب تھا اس پر بھٹی صاحب بھی کچھ دیر کے لئے خاموش رہے۔ میں نے کہا سر مجھے عزت واحترام چاہیئے اگر آپ دے سکتے ہیں تو عزت واحترام سے بڑی کوئی چیز نہیں اور جس دن میں دیکھوں گا عزت واحترام نہیں رہا میں اس دن آپ کو چھوڑ جاؤں گا۔

خاموشی کو توڑتے ہوئے بھٹی صاحب نے کہا انشاءاللہ اپنے بھائیوں سے زیادہ آپ کو عزت واحترام دوں گا۔ البتہ آپ سے کام لوں گا تو مجھے اچھا نہیں لگے گا کہ صبح سے شام آپ کام کریں اور میں کچھ نہ دوں۔ میں نے کہا یہ بعد کی بات ہے۔

میں نے تنظیم اسٹرگل فارسوسائٹی کی میٹنگ بلائی اور اس میٹنگ میں بھٹی صاحب سے ملاقات کا ذکر کیا اور ان کی خواہش بتائی جس پر سب نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا سر آپ اس عہدہ کو قبول کریں سوائے ایک دوست اورنگزیب کے جنہوں نے چند تحفظات کا اظہار کیا۔ اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے میں نے اسٹرگل فارسوسائٹی کے چیئرمین شپ سے استعفٰی دیا۔ اور سر شبیر حسین بلوچ کے ذریعہ انور علی بھٹی صاحب کو اپنی رضامندی سے مطلع کیا۔ اس طرح میری اسٹرگل فارسوسائٹی آرگنائزیشن کے ساتھ ایک سال کی رفاقت ختم ہوئی لیکن اس تنظیم کے تمام دوستوں کے ساتھ دوستی اب بھی مضبوط اور برقرار ہے۔

باب۔۵۹

روز ایجوکیشنل سوسائٹی

سر انور علی بھٹی کی آفر قبول کرتے ہوئے روز ایجوکیشنل سوسائٹی کے ذیلی ادارہ روز یوتھ پوائنٹ چاکیواڑہ سنٹر کے کوارڈینٹر کی حیثیت سے بھاری زمہ داریاں سنبھالنے کے بعد مجھے یوتھ سے برائے راست ایک مرکز میں بیٹھ کر آپس میں جڑنے کا ایک نادر موقع ملا تا کہ ان نوجوانوں کی اسکل ڈیولپمنٹ، کمپیوٹر ٹریننگ، فنون آرٹ وتھیٹر، انگلش لرننگ، مونٹیسری ٹریننگ اور شعور آگاہی کے کئی پہلوؤں پر کام کیا جائے تا کہ جو چیلنج میں نے قبول کیا ہے اس میں سے سرخ رو ہو کر نکلوں۔ یہ ذمہ داریاں جب میں نے قبول کیں تو بعض لوگوں نے میری مخالفت کی اور مجھے NGOs کا بندہ کہہ کر ٹارگٹ کیا۔ جیسے کہ آپ کے علم میں ہے کہ میں اپنی مثبت اور تعمیری نکتہ نظر کی وجہ سے کبھی خوف زدہ نہیں ہوا اور اپنی جدوجہد برداشت اور صبر کے محور میں جاری رکھا۔

جس وقت میں نے چاکیواڑہ سنٹر کا چارج سنبھالا اس وقت وہاں صرف کمپیوٹر کی کلاسیں ہو رہی تھیں۔ بھٹی صاحب کا Vision بہت روشن تھا وہ چاہتے تھے کہ اس سنٹر میں پاکستان امریکن کلچرز سنٹرز کی طرز کی انگلش لرننگ کی ہائیر سرٹیفکٹ اور ٹیچرز مونٹیسری ڈائریکٹوریٹ، اور سرٹیفکٹ کورسز کی کلاسیں ہوں۔ اس وژن کے مطابق نوجوانوں میں سوچ کی تبدیلی یقینی تھی۔ ہمارے طلباء وطالبات کو علمی کورسز کے لئے کراچی شہر کے دور دراز علاقوں میں جانے اور بھاری فیسیں دینے، اپنا قیمتی وقت ضائع کرنے کی بچت ہو سکتی تھی۔ اس لئے ہمارا پہلا ٹارگٹ PACC کے مساوی کسی تعلیمی ادارہ سے کنٹریکٹ کر کے انہیں یہاں برانچ کھولنے کے لئے بات چیت کرنا تھا تا کہ انگلش لرننگ کے حوالہ سے ایک مستند سرٹیفکٹ کورس یہاں کے نوجوانوں کے لئے لایا جائے۔ دوم تجویز یہ تھی کیوں نا PACC

کو ہی کہا جائے وہ اپنی ایک برانچ لیاری میں کھولے جس کے لئے روز ایجوکیشنل سوسائٹی اپنے سنٹر انہیں برانچ کھولنے کے لئے دے گی ان دونوں پوائنٹ پر صلح مشورہ کرنے کے بعد بلآخر اس بات پر پہلے مرحلہ میں کام کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا گیا کہ PACC میں موجود ایسے دوستوں سے ملا جائے جن کی معرفت ان کے ڈائریکٹر اور بورڈ ممبران سے ملاقات ہو اور انہیں لیاری میں اپنا کیمپس یا برانچ کھولنے کے لئے درخواست کی جائے اور انہیں اس سلسلے میں جگہ کی فراہمی کا یقین دلایا جائے۔

پاکستان امریکن کلچرل سنٹر کے ڈائریکٹر ایک نفیس انسان ہیں ان سے پہلی ملاقات میں بھٹی صاحب کی ٹیم میں میں بھی شامل تھا اور PACC کی ٹیم میں وہ شخصیات بھی شامل تھیں جن سے پہلے سے رابطہ تھا۔ یہ ملاقات خوشگوار ماحول میں ہوئی اور ڈائریکٹر نے اس بات پر آمادگی کا اظہار کیا کہ آپ کی تجویز ہم اپنے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اجلاس میں رکھیں گے وہ فائنل اتھارٹی ہیں۔ وہ جو فیصلہ کریں گے اگلی ملاقات میں آپ کو بتا دیا جائے گا البتہ سنٹر کے معائنہ کے لئے انہوں نے دو افراد پر مشتمل ایک ٹیم مقرر کی جس نے آکر جگہ کا معائنہ کیا اور جا کر اپنی رپورٹ انہیں پیش کی۔

پاکستان امریکن کلچرل سنٹرز کے بورڈ ممبران نے بڑے بحث ومباحثہ کے بعد لیاری کیمپس کی منظوری دی اور مناسب فیس مقرر کی اور طلباء وطالبات کی حد 50 مقرر کی تا کہ PACC پر اس کیمپس کا بوجھ نہ پڑے۔

اب روز ایجوکیشنل سوسائٹی کے لئے سب سے بڑا چیلینج یہ تھا کہ کم از کم 50 طلباء وطالبات کا بندوبست کس طرح کیا جائے اس سلسلے میں سر انور علی بھٹی صاحب نے اپنے تمام اسکولوں اور لیاری کے تمام پرائیویٹ اور گورنمنٹ اسکولوں سے رابطہ کیا تا کہ ان کے طلباء وطالبات جو انگلش لرننگ کا ذوق وشوق رکھتے ہوں آکر اپنی رجسٹریشن کرائیں۔

لیاری ٹاؤن کے لوگ علم وادب اور کھیلوں میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں وہ علم کے حصول کے لئے کراچی کے کونے کونے میں جا کر علم حاصل کرتے ہیں اب یہ ان کے لئے ایک نادر موقع فراہم کیا جارہا تھا کہ وہ اپنے گھر کے قریب وہی تعلیم حاصل کریں۔

بڑی جدوجہد کے بعد DMC ساؤتھ کے بھرپور تعاون سے ہم نے PACC لیاری کیمپس کا افتتاح کیا۔ جہاں پر لیاری کے تمام اسکولوں کے طلباء وطالبات کے ساتھ ساتھ DMC ساؤتھ کے اسکولوں کے 30 طلباء وطالبات نے بھی ان کورسز کے لئے اپنی رجسٹریشن کرائی۔ جب ہم کسی چیز کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے کوشش کی راہ میں کئی قسم کی رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ جب ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی قدرت ہم میں نہیں رہتی تو ہم جھنجھلاتے ہیں اور ہمت ہار بیٹھتے ہیں جہاں ہم نے ہمت ہاری بس سمجھ لیجئے رائی بھی پہاڑ بن گئی اب پہاڑ ہم کیسے عبور کریں؟ یہ کیسا کرنے کی بات تو بعد میں پیدا ہوگی پہلے یہ بات ذہن میں اچھی طرح محفوظ کرلیجئے کہ اس پہاڑ کو تو عبور کرنا ہی پڑے گا کیونکہ یہ راستہ میں حائل ہے وہی راستہ جو کامیابی کی طرف جاتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اگر آپ اس پہاڑ کو عبور کرنے کا خیال دل سے نکال دیں گے تو یقین کیجئے مصیبتوں سے چھٹکارا پانا آپ کے بس کی بات نہیں رہے گی۔

مشکلات آپ کو اس وقت تک مصروف رکھتی ہیں جب تک آپ ان سے چھٹکارا حاصل کرنہ لیں جب تک آپ کے اندر مستقل عمل کی کیفیت پیدا نہ ہو اور آپ یکسو نہ ہوں اس وقت تک سکون ممکن نہیں۔ چنانچہ مشکلات کا ذکر بعض اوقات بے معنی سا لگتا ہے۔ ان کا مقابلہ ہی آپ کو ان پر کامیابی اور فتح سے ہمکنار کرتا ہے۔

مشکلات صرف اپنے ہی لئے عمل کرنے پر نہیں آمادہ کرتی بلکہ دوسروں کے آڑے وقت میں کام آنے کے لئے بھی آمادہ کرتی ہیں۔ پھر یہ بھی کہ آپ نے جو کچھ عمل کیا

ہے اس کا جائزہ لینے کی صلاحیت بھی پیدا ہوتی ہے۔

پاکستان امریکن کلچرل سنٹر لیاری کیمپس کا قیام اور یہاں پہلے مرحلہ میں انگلش لرننگ کلاسوں کی پہلی بار شروعات لیاری کے نوجوانوں کے لئے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا تھا جس کا اظہار لیاری کا درد رکھنے والے لوگوں نے بھی اچھے الفاظ میں کیا۔

ہمارے طلباء وطالبات صلاحیتوں کے اعتبار سے کسی سے کم نہیں ہیں انہیں صرف صحیح سمت میں رہنمائی اور سرپرستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہیں دنیا کے ساتھ چلنے کے لئے خصوصی تعلیم سے سنوارنے کی ضرورت تھی جس کے لئے ہماری مثبت کوششیں رنگ لائیں۔

اب سوال یہ آتا ہے کہ ہماری بنیادی تعلیم کو جو اسکولوں میں اس وقت رائج ہے مونٹیسری لیول سے ہی یہ تعلیم انگلش میں ہی دی جاتی ہے اس کے باوجود ہمارے ان نونہالوں کا تعلیمی معیار روز بروز روبہ زوالی کی طرف گامزن ہے؟ ماہرین تعلیم کا اس بارے میں مشترکہ موقف اور رائے یہ ہے کہ پاکستان میں انگریزی تدریس کا غیر یکساں معیار بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے کیونکہ اعلی طبقوں کے جو طلباء انگریزی ذریعہ تعلیم والے مستند اداروں میں داخلہ لینے کے قابل ہیں ان کی تعداد محض 3% ہے اور 97% باقی پرائیویٹ اور گورنمنٹ تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے ہیں جہاں کوالیفائیڈ ٹیچرز نہ ہونے کی وجہ سے تدریسی عمل آگے کے بجائے پیچھے کی جانب جارہا ہے۔

کوالیفائیڈ ٹیچرز کی بات ہورہی ہے تو اس جانب ہم نے اپنے دوسرے سفر کا آغاز کیا اور اس سفر میں میں سر انور علی بھٹی کی ٹیم کا اہم رکن تھا ہمارا گول مونٹیسری کے کوالیفائیڈ/سرٹیفکٹ ٹیچرز کی ٹریننگ کے لئے کراچی کے مستند مونٹیسری ٹیچرز ٹریننگ انسٹیٹیوٹ کو لیاری میں لانا اور ٹیچرز ٹریننگ کی شروعات قابل اساتذہ کی نگرانی میں کرنا تھا۔

یہ ایک ایسا کام تھا جس سے ہمیں مستقبل میں کوالیفائیڈ اور سرٹیفکٹ ہولڈر ٹیچرز دستیاب ہوتے۔

اس سلسلہ میں ہمیں پرائیویٹ اور گورنمنٹ اسکولوں کے ٹیچروں کو ایسے ڈپلومہ اور سرٹیفکٹ کورسز کے لئے شعور آگاہی دینا ضروری تھا تا کہ وہ اپنا نام رجسٹرڈ کرائیں۔ اس لئے لیاری کے پرائیویٹ اور گورنمنٹ اسکولوں سے رابطہ کیا گیا کہ وہ اپنے اسکولوں کے ٹیچرز کو اس اعلیٰ معیار کے کورسز میں شریک ہونے کے لئے راضی کرائیں۔ اس سلسلہ میں پرائیویٹ اسکولوں کی جانب سے اچھا جواب آیا۔ بڑی تعداد میں ٹیچرز نے کوالیفائیڈ مونٹیسری کورسز کے لئے اپنی رجسٹریشن کرائی۔ اور اللہ تعالی کے فضل و کرم سے ٹیچرز مونٹیسری ٹریننگ انسٹیٹیوٹ نے اپنا لیاری کیمپس روز یوتھ پوائنٹ چاکیواڑہ میں قائم کیا اور ہفتہ میں 3 دن ان کے کوالیفائیڈ ٹیچرز آکر ٹیچرز کو ڈپلومہ اور سرٹیفکٹ کورسز کرانے لگے۔ ایسے روشن عمل کی انجام دہی کے لئے باہمت قیادت اور ایک محنتی ٹیم ضروری ہوتا ہے۔ الحمدللہ بھٹی صاحب اور ان کی ٹیم نے وہ کام سرانجام دیا جس کے بارے میں لوگ صرف سوچتے تھے اور عمل کرنے سے خوف زدہ ہوتے تھے۔ روز ایجوکیشن سوسائٹی نے اس پروسیس کو کامیابی سے چلایا اور 30 خواتین ٹیچرز نے ان کورسز میں حصہ لیا۔

یہ حقیقت ہے کہ ہر فرد شخصی طور پر کچھ حدود رکھتا ہے مگر مسلسل اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے آپ کو چیلنج کرنا ہی بہتر اور کامیاب زندگی کی جانب لے جاتا ہے۔ کسی بہتری کے لیے کوئی تبدیلی ہمیشہ آسان نہیں ہوتی مگر اس کے لیے کی جانے والی کوشش ضرور اہم اور قابل قدر ہے۔ سننے میں چاہے مشکل لگتا ہو مگر اس دور میں کچھ چیزیں، عادتیں یا تبدیلیاں ایسی ہوتی ہیں جن کو اپنا کر آپ آگے بہتر زندگی کی بنیاد بنا سکتے ہیں۔

باب۔۶۰

زندگی ایک سفر ہے منزل نہیں

اپنے خوابوں اور مقاصد کے حصول کا پہلا قدم اس بات کو تسلیم کرنا ہے کہ آپ ایک انسان ہیں، آپ پرفیکٹ نہیں اور سب کچھ تنہا نہیں کر سکتے۔ ہمیشہ حقیقت پسندانہ سوچ رکھیں، خود پر اتنا دباؤ بھی نہ ڈالیں کہ چلنا ھی مشکل ہو جائے، خود پر یقین رکھیں کہ آپ اپنی ضروریات کے مطابق کام کر سکتے ہیں، مگر ناکامی سے گھبرائیں بھی مت۔ اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں، مقاصد طے کریں اور سفر سے لطف اندوز ہوں۔

روزمرہ کے معمولات میں ہزاروں چیزیں آپ کی توجہ چاہتی ہیں، جیسے بچوں کے کمرے کو بار بار سمیٹنا، گھر اور دفتر کے کام، کاموں کی ترتیب کے مطابق وقت نکالنا، لوگوں یا رشتے داروں سے ملنا جلنا، بچوں کے اسکول کے کام میں مدد کرنا اور دیگر۔ ایک بات ذہن میں صاف کر لیں، آپ ان میں سے کچھ بھی اس وقت تک نہیں کر سکتے، جب تک ذہن میں یہ خیال واضح نہ ہو کہ زندگی، رشتوں اور ماحول کو سادہ کیسے بنانا ہے، کیونکہ اس کے بعد ہی ذمہ داریوں کے بوجھ میں کمی کا احساس ہوتا ہے۔

زندگی گزارنے کے لیے ہم کام کرتے ہیں، میل جول رکھتے ہیں، خاندان کے کام کرتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں، خریداری کرتے یا ٹیلیویژن دیکھتے ہیں، مگر کسی بھی معاملہ میں انتہا پسندی زندگی کے ہر پہلو کو تباہ کر دیتی ہے، بس اپنے فہم سے کام لے کر کسی بھی حوالے سے جنون جیسے رویے کی روک تھام کریں۔ جتنا کماتے ہیں اس سے کم خرچ کریں، غذا پر دھیان دیں اور ٹی وی کم دیکھیں، تو درمیانی عمر میں جسم آپ کا شکر گزار ہوگا۔

دیگر افراد کی توقعات اور اقدار کو استعمال کرنا ہو سکتا ہے آسان لگتا ہو مگر ایسا کرنے سے آپ خود کو زندگی میں کبھی بھی مطمئن نہیں پاتے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ اگر کوئی

ایک چیز جو آپ کر کے دیگر افراد کی مدد کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ اپنی زندگی اپنی مرضی کے مطابق گزاریں۔ وہ کام نہ کریں جو دیگر افراد کہیں کہ آپ کو کرنا چاہئے اور دوسروں کی توقعات کا خیال رکھنے کی کوشش نہ کریں، عمر گزرنے کے بعد آپ کو ہاتھ سے نکل جانے والا موقع واپس نہیں ملے گا۔

زندگی ایک سفر ہے کوئی منزل نہیں، جس میں ہر گزرتے دن کے ساتھ آپ کو اپنی بقا کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ہوتا ہے، اس لیے کچھ خراب ہونے پر اس کے نتائج سے توجہ مت دیں، کیونکہ جب آپ نتائج کے بارے سوچیں گے تو ہمیشہ ہی منفی سوچ پیدا ہوگی، یاد رکھیں زندگی پرفیکٹ نہیں ہوتی، تو کامیابی اور ناکامی دونوں کا سامنا ہوتا ہے اور کھلی بانہوں سے ان کے لیے تیار بھی رہنا چاہیے۔

اگر آپ اپنے پیاروں کے ساتھ سلوک اپنے خیال کے مطابق رکھیں گے تو آپ کو مشکلات کا سامنا بھی ہوسکتا ہے، اس کی بجائے جیسا وہ توقع رکھتے ہیں، ویسا سلوک یا رویہ ان کے ساتھ اختیار کریں۔ مثال کے طور پر اگر آپ کو فون کرنا پسند نہیں، تو آپ اس خیال سے دوست یا کسی پیارے کو کال نہیں کریں گے، کہ وہ بھی آپ جیسی سوچ رکھتا ہوگا، مگر ایسا ہوتا نہیں۔ دوسروں کی ضروریات کے لیے حساس بننے کی کوشش کریں، اپنے دل کو کشادہ رکھیں اور دوسروں کے ساتھ کچھ اچھا کرنا معمول بنالیں۔

ماضی میں کیا ہوا، اس کے بارے میں سوچنا بند کر دیں یا مستقبل میں کیا ہونے والا ہے، اس کے بارے میں فکرمند مت ہوں۔ آپ حال پر توجہ دیں جس میں اس وقت آپ موجود ہیں اور اس کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

آپ کی شخصیت وہ ہوتی ہے جو آپ دن بھر سوچتے ہیں، اگر آپ کے خیالات ہی منفی ہوں تو زندگی میں کچھ زیادہ ہونے کی توقع بھی نہیں کرنی چاہیے، اس کے مقابلے میں

زندگی یا حالات کے بارے میں مثبت سوچ ناکامی کو بھی کامیابی میں بدلنے میں مدد دے سکتی ہے، ایک بار اپنی سوچ کو مثبت بنا کر دیکھیں، آپ اس کے جادو سے خود حیران رہ جائیں گے۔

سب سے زیادہ دلچسپ افراد وہ ہوتے ہیں جو زندگی میں دلچسپی رکھتے ہیں اور کسی خول میں بند ہو کر نہیں رہتے، وہ سیکھنے کے مواقع دریافت کر کے اپنی شخصیت کو ذاتی اور پیشہ وارانہ طور پر مزید نکھارتے ہیں، زندگی بھر سیکھنے کا عمل جاری رہنا چاہیے کوئی بھی عمر آپ کو کچھ نیا سیکھنے سے نہیں روکتی۔

یقیناً کوئی کام فوری طور پر ہونا ممکن نہیں یا کسی اہم ملاقات کے لیے جلدی سب کو ہوتی ہے، مگر یہ بھی اہم ہے کہ فرسٹریشن کے احساس کو اپنے اوپر قابو پانے نہ دیں۔ رکاوٹیں جیسے سفری تاخیر، لوگوں کی نااہلی یا کوئی بھی وجہ، آپ کے قابو میں نہیں ہوتی، مگر ان مسائل پر بے صبری سے ردعمل سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ بے چینی اور بے صبری سے ذہنی تناؤ پیدا ہوتا ہے جو کہ جسمانی دفاعی نظام کمزور، چڑچڑا، بلڈ پریشر بڑھانے، دل پر بوجھ اور تعلقات خراب کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ تو اپنے کنٹرول سے باہر مشکلات پر صبر سے کام لینا سیکھیں اور کچھ وقت سوچنے کا نکالیں کہ اس میں کیسے بہتری لائی جاسکتی ہے یا گہری سانسیں لیں۔

کامیابی کی منازل طے کرنے والے سینکڑوں افراد کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں ایک عادت مشترک ہوتی ہے اور وہ ہے فیصلہ کرنے سے ہچکچاتے نہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ غلط فیصلہ کرنا کوئی فیصلہ نہ کرنے سے بہرحال بہتر ہوتا ہے۔

3 چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو آپ کی زندگی بدل سکتی ہیں اور وہ ہیں دوست، کتابیں اور آپ کے خیالات۔ تو انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کریں اور اچھی سوچ رکھنے والے دوستوں

اور خیالات کو مثبت بنانے میں مدد دینے والی کتابوں کو ہی ترجیح دیں۔

ایسے فرد کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا جو ہر وقت شکایات کرتا رہتا ہو، اگر آپ اپنے اردگرد دیکھیں تو آپ کو ایسے متعدد افراد نظر آئیں گے جو مشکلات کا شکار تو ہوتے ہیں مگر پھر بھی بہت کچھ اچھا کر رہے ہوتے ہیں۔ اپنے مسائل کے لیے دیگر پر الزام عائد نہ کریں، جواز تراشنے سے گریز کریں اور بہت زیادہ حساسیت سے بھی بچیں، ہر وقت کا ڈراما تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔

اللہ نے بہت زیادہ نعمتیں دی ہیں جن کا شکریہ ادا کرنا تو ہم سب پر فرض ہے تاہم ہم اس بارے میں سوچتے بھی نہیں، تاہم جب بھی آپ کو مایوسی کا احساس ہو تو اپنے اردگرد نظر دوڑائیں اور ان چیزوں کو دیکھ لیں جو آپ کے کام آتی ہیں، خوشی دیتی ہیں یا جن کے بغیر زندگی کا تصور ادھورا لگتا ہے، تو شکر گزاری خود بخود پیدا ہونے لگتی ہے، خود سوچیں اگر ہاتھ نہ ہوتے تو پھر یا ٹانگوں سے محروم ہوتے تو زندگی کیسی ہوتی؟ جو لوگ شکر گزاری کی عادت اپنا لیتے ہیں، ان کے اندر زندگی کے لیے اچھی امید بھی بڑھتی ہے۔ اس کے لیے آپ کوئی بھی طریقہ کار اختیار کر سکتے ہیں یا کم از کم اپنے ذہن کے اندر تو ان چیزوں کے لیے شکر گزار ہوں جو زندگی میں آپ کو ملی ہیں۔

بیشتر افراد آغاز تو اچھا کرتے ہیں مگر اختتام کرنے میں ناکام رہتے ہیں، لوگ شکست کے ابتدائی آثار دیکھ کر ہمت ہار دینے کے عادی ہوتے ہیں۔ تو کبھی اس وقت تک نہ روکیں جب تک آپ کا مقصد پورا نہ ہو جائے، بیشتر کامیاب افراد میں اپنی ناکامیوں کا سامنا کرنے اور ان پر قابو پانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

میں نے اپنی زندگی کے اس مختصر ترین سفر میں بھٹی صاحب سے بہت کچھ سیکھا اور تمام ذمہ داریوں کو بخیر و خوبی انجام دیا۔ روز یوتھ پوائنٹ میں چھ قیمتی ماہ گزارنے کے بعد

بھٹی صاحب نے مجھ پر اعتماد کیا اور صبح اپنے اسکول وائٹ برڈ بوائز سیکنڈری میں ایڈمنسٹریٹر مقرر کیا۔ نئی ذمہ داریاں آنے سے مجھے اور بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ صبح اسکول کی ذمہ داریاں اور دوپہر سے شام تک روز یوتھ پوائنٹ میں ہونے والے PACC اور مونٹیسری ٹریننگ کے ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے ذمہ داریاں ادا کرتا رہا اس کے ساتھ ساتھ آرٹ کی کلاسوں کا آغاز کیا آرٹ کی کلاسوں کو ماہر آرٹسٹ عظمی حیاہ بلوچ اپنی نگرانی میں کراتی تھیں۔ اس کے علاوہ سنٹر میں اکثر کسی نہ کسی موضوع پر شعور آگاہی اور عزم نوجوان تنظیم کے پروگرام کرانے کی ذمہ داریاں تھیں جو یوتھ کے اسکل ڈیولپمنٹ میں مددگار ثابت ہوتے تھے۔ ڈیڑھ سال کے اس خوبصورت سفر کے اختتام کی وجہ میری ناسازی طبیعت اور چند اصولی اختلاف بنے۔ آج بھی مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ بھٹی صاحب کی محبت اور دوستی و احترام میرے لئے باقی ہے وہ جب ملتے ہیں ایک اچھے دوست کی طرح ملتے ہیں اور ساتھ گزرے ہوئے دنوں کو یاد کر کے مجھے واپس آنے کا مشورہ دیتے ہیں لیکن شاید روز ایجوکیشنل سوسائٹی میں شمولیت کے وقت کہے گئے الفاظ مجھے واپس آنے سے روکتے ہیں کہ ''مجھے عزت و احترام چاہیے جس دن میں دیکھوں گا عزت و احترام نہ رہا میں آپ کو چھوڑ دوں گا''۔

میری پوری زندگی محنت سے عبارت ہے میں نے جون 2019 کے بعد روز ایجوکیشن سوسائٹی کو خیر باد کہا اور اپنی سوشل لائف کو آزادانہ انداز میں چلانا شروع کیا۔

آج کراچی اور خاص کر لیاری میں علمی ادبی اور معاشرتی زندگی میں میں ایک معروف شخصیت ہوں میرے تجربات نوجوانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ میری آپ بیتی سے وہ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ میری زندگی میں بہت سارے مشکلات آنے کے باوجود میں ثابت قدم رہا یہی میری زندہ دلی کا ثبوت ہے۔